مقدماتِ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

مرتبہ

مرزا طارق حسین طاری

بار اوّل	مارچ ۱۹۸۳ء
تعداد	۵۰۰ (پانچ سو)
ناشر	طارق حسین طاری
خوش نویس	جناب مولانا امام الدین نقشبندی
مطبع	
ملنے کا پتہ	مکان نمبر ۱۵۶۳-۱ای

مرزا منزل فقیر کا پڑ حیدرآباد پاک

پاسبان پرنٹنگ پریس پختہ قلعہ حیدرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

ان تمام مشفق و محترم اساتذہ کرام
کے نام جو علم کی ضیا پاشیوں سے
دلوں کو منوّر کر رہے ہیں

مرزا طارق حسین طارق

فہرست

کتابیات

دیباچہ

ایم اے سال دوم کے پہلے سیمسٹر میں تھا۔ کہ جب مجھے سرسید کی علمی و ادبی خدمات کا جائزہ لینا پڑا تب میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ اتنی ڈھیر ساری کتب کیسے لکھی گئیں۔ پھر جب مولانا عبدالماجد دریاآبادی کی تصانیف پر نگاہ کی تو حیرت میں مزید اضافہ ہوا کہ کیا یہ صاحبانِ علم وادب کیا تمام عمر بس یہی کرتے رہے۔ لیکن اس وقت میری حیرت میں دوچند اضافہ ہوا کہ یہ صاحبان، زندگی کے تقریباً ہر ایک میدان میں فعال رہے ہیں۔ پھر یہ سوچ کر کہ پرانے وقتوں کے لوگ ہیں اس لئے ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔ انہیں دنوں جناب ڈاکٹر نجم الاسلام (صدر شعبہ اردو) نے اپنے لیکچر میں یہ فرمایا کہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب کی تصنیفات و تالیفات اور تراجم پچاس کے لگ بھگ ہیں۔ میرے لئے یہ بات یقیناً اچنبھے کی تھی کہ ایسی علم دوست اور معزز شخصیت اسی دور میں اور وہ بھی حیدرآباد میں موجود ہے۔ مقالہ نگاری کا خیال تو جب سے ہی دل میں سمایا ہوا تھا۔ جب ایم اے میں داخلہ لیا تھا اتنی بڑی اور عظیم شخصیت کو اپنے درمیان پاکر ڈاکٹر صاحب قبلہ سے موانست تو پہلے ہی پیدا ہو چلی تھی لیکن اس بات سے خائف تھا کہ کہیں کوئی مشکل کام نہ مل جائے اور یہ کہ اس میدان میں ابھی بالکل نووارد ہوں۔ ایم اے سال دوم کے

دوسرے سیمسٹر کے آغاز میں جناب ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب نے "مقدمات
ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب" کی جانب توجہ دلائی اور میں نے اسے
اپنی خوش بختی سمجھ کر فوراً ہی قبول کر لیا۔ اس دوران جناب حمایت علی
شاعر صاحب نے بے انتہا حوصلہ افزائی فرمائی اور مقالہ نگاری کے سلسلے میں
اپنے گراں قدر خیالات سے بھی نوازا۔ اس سے قبل پہلے سیمسٹر میں مشفق
استاد محترمہ سعدیہ نسیم آرا صاحبہ نے "فنِ تحقیق" کے کورس کے سلسلے
میں مجھ ایسے کم علم کو مقالہ نگاری کے اصول سمجھانے میں اپنے تئیں کوئی
دقیقہ فروگذاشت نہیں رکھا۔ استاد شفیق محترمہ لائبہ اقبال صاحبہ
نے جہاں نا صرف میری معلومات میں اضافہ فرمایا وہیں ایک نایاب کتاب
"مقدمات عبدالحق" بغرض مطالعہ مرحمت فرمائی تاکہ میں اپنے کام کو بغور
سمجھ سکوں۔ لیکن جب میں نے مقدماتِ جناب قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں
کا جائزہ لینا شروع کیا۔ تو مجھے شدید احساس ندامت ہوا، کیوں کہ کم از کم
مجھ ایسا کم علم شخص ان "مقدمات" سے انصاف کیوں کر کر سکتا تھا اس
کے لئے تو کوئی چابکدست اور شخصیت شناس مقدمہ نگار چاہیے تھا۔ ڈاکٹر
صاحب قبلہ کے لئے کبھی کچھ لکھتا تو تھوڑی ہی دیر بعد یہ کہہ کر مسترد کر دیتا کہ
یہ صاحبِ فن کے شایانِ شان نہیں۔ اس دوران میری تشویش ظاہر ہو گئی اور
میں بالکل ہی نا امید سا ہو گیا کہ اتنے کم وقت میں اتنا بڑا کام کیونکر ہو سکتا
ہے۔ ایسے میں جناب ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب نے ایک مرتبہ پھر میری ڈوبتی
ہوئی امید کو ایک نیا حوصلہ بخشا۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ نے اس سلسلے میں

میری جس قدر مدد فرمائی ہیں ان کا تمام عمر ممنون رہوں گا۔ جناب نے اپنے ذخیرۂ کتب سے ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان صاحب کی بیشتر کتابیں بغرضِ مطالعہ ونقولِ مقدمات کے لئے مجھے عنایت کیں۔ اور آج یہ انہیں مشفق ومحترم اساتذہ کا فیضانِ مکتب ہے۔ کہ میں نے اپنے تئیں کچھ کام کیا ہے۔ تاہم اس سلسلے میں میں انتہائی شرمسار ہوں کہ بہ اس کارِ احسن کو اچھے طریق پر انجام نہیں دے سکا ہوں۔ مقدمات نامکمل ہیں اور مقدمات کی ترتیب کا بھی کوئی خاص خیال نہیں رکھا گیا ہے کیونکہ جیسے جیسے مقدمات دستیاب ہوتے تھے۔ ویسے ہی کتابت کے لئے بھیج دیئے جاتے تھے۔ نقول مقدمات میں اغلاط بھی ہوں گی۔ "مقدمات" پر مقدمہ لکھنے کے سلسلے میں تو کچھ کہنا بالکل بے معنیٰ ہوگا۔ کیونکہ قبلہ ڈاکٹر صاحب کے مقدمات پر مقدمہ لکھنے کے لئے علم وادب، تاریخ بالخصوص اسلامی تاریخ، اسلامی روح اور تصوف پر کامل واقفیت بے حد ضروری ہے۔ بندہ اس سلسلے میں معافی کا خواستگار ہے۔ خوشنویس جناب مولانا امام الدین نقشبندی صاحب نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود مجھ سے بھرپور تعاون کیا۔ مقدمات کی نقول کی ازسرِنو جانچ پڑتال کے لئے میری اہلیہ بھی شریک کار رہی۔ اور میرے مشفق ومحترم نگران جناب پروفیسر اظہر قادری صاحب کی راہنمائی میرے لئے باعث صد افتخار ہے۔ میں اپنی استاد محترمہ فہمیدہ شیخ صاحبہ اور ان تمام اصحاب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے وقتاً فوقتاً اپنے مفید مشوروں سے نوازا اگر آئندہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے توفیق بخشی، اساتذہ کرام صاحبان، ذوقِ علم وادب اور دوست احباب نے میری راہنمائی کی تو اپنے

اس کارِ احسن کو جاری رکھ سکوں گا ۔

دعاؤں کا طالب

مرزا طارق حسین طارق

مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۸۳ء

سوانح حیات

جناب ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب بروز پیر ۱۷ شوال المکرم ۱۳۳۰ ہجری مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۱۲ء کو جبل پور میں پیدا ہوئے[۱]۔ ابھی آپ صرف دو برس ہی کے تھے۔ کہ والدِ بزرگوار جناب گلاب خان کی شدید علالت کے سبب گھر شدید مالی مشکلات سے دوچار ہو گیا۔ نتیجتاً آپ کے برادر بزرگ جناب نذیر احمد خان صاحب نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر ملازمت اختیار کر لی۔ اسی دوران آپکی طبیعت بھی ناساز رہنے لگی۔ آپ کو اکثر بخار رہنے لگا۔ والدہ محترمہ کی ہدایت پر آپ نے کلام پاک کی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی جس کی برکت سے آپ روبصحت ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب انتہائی ذہین و فطین تھے۔ جس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ آپ نے صرف پہلا پارہ اپنے بڑے بھائی سے پڑھا اور پھر اس کے بعد انتیس پارے ناظرہ از خود پڑھ ڈالے۔ آپ کم سنی ہی میں روزہ نماز کے پابند تھے۔

تعلیم و تربیت: ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تربیت نہایت ہی پاکیزہ ماحول

---

[۱] علمی نقوش میں ڈاکٹر صاحب نے "اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" سورۃ علق" کی ان آیات مبارکہ سے اپنا سنہ پیدائش ۱۹۱۲ء ظاہر کیا ہے

میں ہوئی ۔ جہاں والد محترم شریف النفس اور سادہ طبیعت کے مالک تھے وہیں دوسری جانب والدہ ماجدہ بھی انتہائی پاکباز صابر و شاکر خاتون تھیں ۔ انتہائی عسرت و تنگ دستی کے عالم میں بھی کبھی کسی پر اپنی مجبوریاں ظاہر نہیں کیں ۔ یہ والدہ ماجدہ اور برادر بزرگ ہی کی بے پناہ شفقتوں اور علم دوستی کا نتیجہ تھا ۔ کہ انتہائی غربت و تنگدستی میں بھی حصول علم کی خاطر آپ کو علیگڑھ بھیج دیا گیا ۔ چنانچہ علمی نقوش کے مقدمے میں رقمطراز ہیں ۔

" والدِ مرحوم کے انتقال کے ۳۳ سال بعد تک والدہ مرحومہ کی سخت تادیب لیکن بے پایاں شفقتوں سے نوازا گیا اور بچپن ہی سے بڑے بھائی حاجی نذیر احمد خان صاحب نے کی اپنی محدود آمدنی کے باوجود مجھے علی گڑھ بھیج دیا " ۔[۱]

۱۹۲۳ء میں پرائمری امتحان میں پورے شہر میں اول پوزیشن حاصل کرنے کی بنا پر آپ کو وظیفہ ملا ۔ اس طرح نویں تک آپ نے جبل پور میں تعلیم حاصل کی اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے علی گڑھ بھیج دیئے گئے ۔ میٹرک سے ایم اے تک کی تعلیم آپنے علی گڑھ ہی میں حاصل کی ۔ پہلا ایم اے آپ نے ۱۹۳۵ء میں فارسی ادب میں اور پھر ۱۹۳۶ء میں اردو ادب میں ایم ، اے کا امتحان پاس کیا ۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اسی دوران شام کی کلاسز میں ایل ایل بی کا امتحان بھی پاس کر لیا ۔ اسی تعلیمی عرصے میں آپ نے بڑے بڑے

---

۱ مقدمہ علمی نقوش از ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ص ۵

مشاہیر علم و ادب سے استفادہ کیا۔ جن میں مولانا احسن مارہروی، پروفیسر ضیا احمد صاحب بدایونی۔ جناب قاری ضیاء الدین احمد، مولانا ابوبکر محمد شیث جونپوری اور مولانا سید سلیمان اشرف ایسے لائق اساتذہ شامل ہیں۔ مولانا حبیب الرحمن شروانی۔ نواب صدر یار جنگ اور علامہ سید سلیمان ندوی سے ان کی خدمت میں ذاتی طور پر استفادہ کیا۔ ۱۹۳۶ء میں آپ نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو خیرباد کہا اور جبل پور تشریف لے آئے۔

ملازمت: - جبل پور تشریف لانے کے کچھ عرصے تک آپ مالی پریشانیوں سے دوچار رہے۔ تقریباً ایک سال بعد ۱۹۳۷ء میں پبلک سروس کمیشن ناگپور نے آپ کو منتخب کر لیا۔ اور آپ کا تقرر ۱۵ جولائی ۱۹۳۷ء کو کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی میں ہو گیا۔ جہاں آپ نے تقریباً دس سال تک درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ اس کے بعد آپ کا تبادلہ مارس کالج ناگپور میں ہو گیا۔ اسی دوران آپ نے ۱۹۴۶ء میں فارسی کے مشہور شاعر سید حسن غزنوی پر فارسی میں مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ پھر آپ کو ناگپور یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے صدر کی حیثیت سے مقرر کیا گیا اور وہیں ناگ پور یونیورسٹی کورٹ اور علی گڑھ یونیورسٹی کورٹ کے ممبر بھی منتخب ہوئے۔

قیام پاکستان کے بعد آپ کے برادر بزرگ جناب نذیر احمد خاں نے اپنا تبادلہ جبل پور سے کراچی کرا لیا اور یہاں منتقل ہو گئے۔ ۲ نومبر ۱۹۴۷ء میں قبلہ ڈاکٹر صاحب بھی پہلی مرتبہ پاکستان آئے۔ آپ کی آمد کے چند ہی

روز بعد آپ کو یکے بعد دیگرے سانحات سے گذرنا پڑا جب کہ آپ کا بچہ اور اہلیہ وفات پاگئیں۔ ڈاکٹر صاحب دوبارہ بھارت تشریف لے گئے۔ لیکن ۱۹۴۸ء میں آپ کو اپنی گیارہ سالہ ملازمت ترک کر کے اس وقت پاکستان آنا پڑا جب آپ کے بڑے صاحبزادے سراج احمد خاں بیمار ہو گئے۔ پاکستان پہونچنے کے کچھ عرصہ بعد آپ کو اسلامیہ کالج کراچی میں ملازمت مل گئی۔ دو سال کے بعد اردو کالج میں منتقل ہو گئے اور چھ سال تک اردو کالج سے منسلک رہنے کے بعد ایک سال کے لئے جامعہ کراچی کے شعبۂ اردو کے صدر کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے ۱۹۵۶ء میں جامعہ سندھ حیدرآباد میں آپ کی خدمات بحیثیت صدر شعبۂ اردو حاصل کر لیں اور اسی یونیورسٹی سے عرصہ بیس (۲۰) سال تک منسلک رہنے کے بعد ۱۹۷۶ء میں اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔ اس دوران آپ نے تعلیمی و تحقیقی کام مسلسل جاری رکھا اور الحمد للہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق کہ "علم حاصل کرو مہد سے لحد تک" آپ آج بھی علم و ادب کے گوہر سمیٹ رہے ہیں۔

علمی و ادبی خدمات :۔ جناب ڈاکٹر غلام مصطفےٰ صاحب کی علمی ادبی خدمات نصف صدی پر محیط ہیں اور تقریباً پچاس ہی کے لگ بھگ تصانیف و تالیفات، تدوین و تراجم منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ یہ کتابیں مختلف موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔ کہیں یہ علمی و ادبی لحاظ سے اپنا لوہا منوا چکی ہیں۔ تو کہیں تحقیقی اعتبار سے فن کی بلندیوں کو چھو رہی ہیں۔

اس کے علاوہ سیکڑوں مضامین اخبارات و رسائل کی زینت بنتے رہے ہیں۔ مگر آپ کا اصل میدان تحقیق ہی ہے اور بلا شبہ آپ عہد حاضر کے ایک بلند پایہ محقق ہیں۔ آپ کی بیشتر تصنیفات تحقیق کا اعلیٰ ترین نمونہ ہیں جن میں اقبال اور قرآن، حالی کا ذہنی ارتقاء، حضرت مجدد الف ثانیؒ (ایک تحقیقی جائزہ) جامع القواعد (حصہ نحو) فارسی پر اردو کا اثر، فارسی کے قدیم شعرا، سید حسن غزنوی اور قرآنی عربی کے علاوہ بہت سی دیگر تصانیف آپ کی تحقیق و جستجو اور ژرف مطالعے کی داعی ہیں۔

آپ کے بیشتر مقالات اور مضامین بھی تحقیق ہی کے ضمن میں آتے ہیں۔ جن میں سے کچھ مضامین "علمی نقوش"، "تحقیقی جائزے"، "ادبی جائزے" اور تحریر و تقریر کے عنوانات سے یکجا کیے گئے ہیں۔ نیز یہ کہ تاریخ سے آپ کو گہرا لگاؤ اور فارسی ادبیات پر کامل دسترس ہونے کے سبب سے آپ نے فارسی پر اردو کا اثر، سید حسن غزنوی اور تاریخ بہرام شاہ غزنوی، ایسی معرۃ الآرا کتابیں لکھیں۔ اقبال اور قرآن، قرآنی عربی اور مطالب القرآن، قرآن اور عربی زبان کے عمیق مشاہدے اور تحقیق کی پیش خیمہ ہیں۔ عربی اور فارسی کے ساتھ ساتھ آپ کو انگریزی زبان پر بھی عبور حاصل ہے۔ (A History of Bahram Shah of Ghaznin، The Persian Literature in Indo Pak اور دیوان عظیم تتوی اس بات کی دلیل ہیں۔ ان خدمات کے علاوہ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے مختلف کتب، مکتوبات و رسائل کی ترتیب و تدوین بھی

فرمائی ہے۔ جن میں سے بیشتر کا تعلق نقشبندیہ سلسلے سے ہی سندھ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر جناب ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے اشتراک سے "سندھی اردو لغت" اور اردو سندھی لغت" مرتب کروائی۔

مزید برآں یہ کہ آپ نے بعض ایسے رسائل و کتب کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ جو کہ فارسی یا عربی میں لکھی گئیں اور ان رسائل و کتب میں سے بیشتر نقشبندیہ سلسلے کے بزرگوں کی تصانیف ہیں۔

آپ کی یہ عظیم الشان اور مخلصانہ خدمات بلاشبہ آپ ہی کا خاصہ ہے اور آپ کی محنتِ شاقہ اور سعیِ مسلسل کی عظمت کا روشن تارا ہے۔ جو علم و ادب کے ماتھے پر ہمیشہ چمکتا دمکتا رہے گا۔

مقدمہ کیا ہے:۔ آج کل مقدمہ نگاری ایک روایتی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ اس کا مقصد دورِ حاضرہ میں صرف اتنا نظر آتا ہے۔ کہ کسی مشہور شخصیت سے مقدمہ لکھوایا جائے تا کہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو اور مقدمہ نگار بھی اپنی جان چھڑانے کی غرض سے اس کتاب پر بطور تعارف "مقدمہ" لکھ دیتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ مقدمے کو دیکھا جائے تو بظاہر یہ ایک "تعارف" ہی کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن ہمارے لئے یہ جاننا از حد ضروری ہے کہ مقدمہ ہے کیا؟ کیا اس کے لکھوانے کا مقصد محض ایک تعارف ہوتا ہے۔

اگر مقدمہ کو باعتبار لغوی معنی دیکھا جائے تو یہ لفظ "مقدم" سے مشتق ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں۔ "پیش کیا گیا" یا "آگے کیا گیا"

یا ''آگے کیا گیا''۔ لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ مقدمے کے نام پر جو چیز آگے یا پہلے پیش کی جاتی ہے۔ وہ تقریظ ہوتی ہے۔ تعارف تو ہوتا ہے مگر محض تعریفوں کے پل باندھے جاتے ہیں۔ قاری اسے پڑھ کر یقیناً کتاب کی اصلی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ ان دنوں میرے زیر مطالعہ کتاب مقدمات عبدالحق رہی ہے۔ اس میں جناب حبیب الرحمٰن خان شروانی نے مقدمہ نویسی کی عام روش پر طنزاً لکھا ہے:۔

'' اس دورِ عجیب میں جہاں مؤلفین اور مصنفین کی کثرت ہے وہاں مقدمہ نگار بھی روز افزوں ہیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ کمتر مقدمے پڑھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ یا یوں سمجھیے کہ بہت کم مقدمے مقدمے ہوتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ تقریظ اور مقدمے میں امتیاز نہیں کیا جاتا کہ اصل میں تو مقدمہ لیا گیا ہے۔ مقدمہ الجیش سے جب ہم صاحبِ جیش تھے تو مقدمہ الجیش کو خوب سمجھتے تھے کہ کیا ہے۔ اب نہ جیش ہے اور نہ مقدمہ الجیش [1]

مقدمہ الجیش کا ذکر چل ہی نکلا ہے تو میں یہاں یہ بھی بتلاتا چلوں کہ مقدمۃ الجیش اس ہراول دستے کو کہتے ہیں جو جنگ کے وقت اپنے لشکر سے پیش پیش رہتا ہے۔ یہ ہراول دستہ اپنے پیچھے موجود اس لشکر کی قدر و قیمت کا تعین کرتا ہے کہ وہ لشکر اپنے اندر کیا کیا خصوصیات سمیٹے ہوئے ہے

---

[1] مقدمہ از ڈاکٹر حبیب الرحمٰن خان شروانی ''مقدمات مولوی عبدالحق مرتبہ عبادت بریلوی

کہ وہ لشکر اپنے اندر کیا کیا خصوصیات
الجیش" لشکر کی جان ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح کسی کتاب پر تحریر کردہ
مقدمہ بھی اس کتاب کی جان ہوتا ہے۔ اس بات کو ہم دورِ حاضر کی مثال سے
بھی سمجھ سکتے ہیں۔ ہر دوکان کا بھی اپنا ایک مقدمہ ہوتا ہے۔ جب ہمیں کوئی
چیز خریدنی ہو تو ہم دوکان کا رخ کرتے ہیں۔ دوکاندار نے دوکان
کے سامنے والے حصے کو انتہائی قرینے اور سلیقے سے سجایا ہوا ہوتا ہے۔
"شوکیس" ہی کی مثال لے لیجئے اس دوکان میں موجود ہر شے اس شوکیس
میں نہایت ہی اہتمام کے ساتھ رکھی جاتی ہے اور دیکھنے والا یا خریدنے
والا یہ سمجھ جاتا ہے کہ بالکل ایسی ہی اشیا اس دوکان میں موجود ہوں گی۔ جس
طرح اس چیز کی اصل قدر و قیمت اس شوکیس میں موجود چیز سے لگائی جا سکتی ہے
بالکل اسی طرح ایک کتاب کا مقدمہ نہایت ہی اہتمام کے ساتھ یہ بتلاتا ہے کہ
اس کتاب میں کیا موجود ہے۔

اس بات سے مقدمہ نگاری کی اہمیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ اور یہ ایک
دلچسپ چیز بن کر اسی صورت میں ابھر سکتی ہے جب کہ مقدمہ نگار اسے دلچسپ
بنا دے کیونکہ "مقدمہ نگار" کے پیشِ نظر مقدمہ نگاری کے کچھ اصول ہوتے ہیں
بعض لوازم و عناصر کا حسنِ امتزاج پیدا کرنا پڑتا ہے تاکہ قاری اس کتاب کی
جانب متوجہ ہو اور اسے اس کتاب کی صحیح حیثیت و مرتبہ کا پتہ چل سکے
یہ "مقدمہ نگار" کی صلاحیت پر منحصر ہے کہ وہ کتاب کی اصلیت کو ابھارنے
کے لیے کتاب کے کن حصوں کا انتخاب کرے کہ اس کتاب کا پورا حسن اس کتاب کے مقدمے
میں سمٹ آئے۔

"مقدمہ"

مقدماتِ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب

دنیائے علم و ادب کے نہ جانے کتنے ہی مسافر صفحۂ قرطاس پر اپنے انمٹ نقوش چھوڑ گئے ہیں۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور کل بھی جاری رہے گا ان درخشاں ستاروں کو آپ لاکھ چھپانے کی کوشش کریں کہ وہ تو درخشاں ہیں۔ اس لئے چھپائے نہیں چھپتے۔ علم و ادب کے وہ مسافر جو کہ خاموشی سے علم و ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ جو نام و نمود کی اس دنیا میں اپنا نام اپنی کاوشوں سے چمکا رہے ہیں اور جو کسی تعریف کے محتاج نہیں ایک ایسی ہی ہستی جناب ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کی ہے جو دنیائے علم و ادب کو وسعتِ تحقیق دینے کے لئے ہمہ وقت کوشاں نظر آتے ہیں اور بقول حالی

ع ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں

کے مصداق علم و ادب کو لعل و گوہر دے رہے ہیں۔ جناب قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں علم و ادب کے وہ خاموش مسافر ہیں کہ جن کی علمی و ادبی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو وہ نصف صدی سے بھی زائد کے عرصے پر محیط ہیں۔ اپنے اس عرصے میں آپ کی تصانیف و تالیفات، تراجم و تدوین کا احاطہ کیا جائے تو ان کی تعداد پچاس سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ ان میں سے ہر کتاب جہاں علم و ادب کا گراں قدر سرمایہ ہے اور علم و ادب کی دنیا میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ وہیں قبلہ ڈاکٹر صاحب کے مقدمات بھی علم و ادب کے

درخشاں ستارے ہیں جو نہ صرف تحقیق کا ایک مرقع ہیں بلکہ طالبانِ علم و ادب کی منزل کا نشان ہیں۔ جناب قبلہ ڈاکٹر صاحب کے یہ مقدمات اپنی نوعیت واہمیت کے اعتبار سے مختلف ضرور ہیں۔ لیکن ان میں مصنف کی شخصیت کے ساتھ ساتھ ایک بات بالکل واضح ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ ان میں ایک روح قبلہ ڈاکٹر صاحب فرما رہی ہے اور وہ ہے اسلامی روح۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب کے نہ صرف مقدمات ہی بلکہ ہر کاوش کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ بات ہمیں معلوم ہو گی کہ ڈاکٹر صاحب کی تمام تر خدمات اسلام کے لئے ہیں۔ ان مقدمات کو بظاہر تو ہم تین بڑے حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ ایسے مقدمات جن کی نوعیت ادبی ہے۔

۲۔ ایسے مقدمات جو کہ ڈاکٹر صاحب قبلہ کی شخصیت، علمی وادبی اور علمی اور عملی زندگی کی جانب نشان دہی کرتے ہیں۔

۳۔ ایسے مقدمات جو خالصتاً علمی نوعیت کے ہیں اور یہ نوعیت اسلامی ہے یا تاریخِ اسلام سے متعلق ہے۔

لیکن یہ مقدمات مختلف النوع ہوتے ہوئے بھی ایک ہی مرکز گرد گھوم رہے ہیں۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب کے ادبی مقدمات ہی کو لیجئے جہاں ایک طرف ان کی ادبی حیثیت مسلم ہے تو دوسری جانب یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہ مقدمات ادبی روح کے ساتھ ساتھ اسلامی روح سے بھی ہم آہنگ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ کے وہ مقدمات جو کہ آپ کی ایک شخصیت، علمی خدمات و عملی زندگی پر محیط ہیں اور جہاں ان کی ایک واضح

اہمیت یہ ہے کہ وہ قبلہ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے آئینہ دار ہیں ویسے اس بات کا بھی بیّن ثبوت ملتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ "الحمدللہ" کی تسبیح کرتا ہے۔ ان کے سینے میں ایک سچے مسلمان کا دل دھڑک رہا ہے۔ چنانچہ اگر وہ ادب پر بھی نگاہ ڈال دیں تو ان کی نظر ان ادبی خدمات پر جاتی ہیں جو کہ اسلامی اقدار و ادب کے مطابق ہوں اور یہ ایک واضح سی بات ہے کہ کوئی شخص اسی صورت میں اپنے کام کے ساتھ انصاف برت سکتا ہے جبکہ اسے اپنے فن کار یا موضوع سے ذاتی دلچسپی ہو۔ تاریخ قبلہ ڈاکٹر کا پسندیدہ مضمون ہے لیکن "تاریخ بہرام شاہ غزنوی" نام کی تصنیف بھی اسی بات کی غماز ہے کہ قبلہ ڈاکٹر صاحب کو بالخصوص تاریخ اسلام سے بے پناہ رغبت رہی ہے اور یہ ان مقدمات میں بھی اثبات النبوۃ کا معرکۃ الآرا مقدمہ اپنے مصنف کی تاریخ اسلام سے اور ان کے ہیروز سے والہانہ عقیدت و محبت کا مظہر ہے۔ جو مصنف کے دلی جذبات بھرپور عکاسی کرتا ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب کو اسلام اور اس سے وابستہ ہر شے سے کس قدر انس ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تصوف، معرفت اور اسلامی نوعیت کے دوسرے مقدمات خود اپنی مثال ہیں۔ اسی طرح مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ قبلہ ڈاکٹر صاحب کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا، پینا، جینا، مرنا سب اسلام کے لیے ہے۔

ادبی مقدمات: - جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ قبلہ ڈاکٹر صاحب

کے ادبی مقدمات میں بھی روح اسلام رواں دواں ہے۔ اور ان کی نوعیت ادبی ہونے کے ساتھ بالخصوص فکر اسلام سے بھی ہم آہنگ ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر عبادت بریلوی کی یہی بات دہرانی پڑتی ہے۔ جو کہ انہوں نے مولوی عبدالحق کے مقدمات کے لئے کہی ہے لیکن اس کے ساتھ وہ بات بھی جو کہ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے مقدمے کے سلسلے میں کہی ہے تفصیلاً بتلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ لکھتے ہیں۔

"مقدمے تو کسی مصنف یا کسی کتاب کے بارے میں محض تعارف کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔ اور عام طور پر ان کا انداز کچھ رسمی سا ہوتا ہے اکثر تو وہ کسی کے کہنے سے یا کسی کی فرمائش پر لکھے جاتے ہیں۔ اسی لئے ان میں وہ بات نہیں ہوتی جو کسی ادبی تصنیف کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ بابائے اردو کے مقدمات میں یہ بات نہیں ہے۔ وہ کسی کی فرمائش پر محض رسمی انداز میں نہیں لکھے گئے ہیں۔ ایک لگن اور ایک دھن یہ مقدمات ان سے لکھوانے ہیں۔ اور ان کا ایک والہانہ جذب و شوق ان مقدمات کی تخلیق کا محرک ہوا ہے"[۱]

اور یقیناً یہی بات میں قبلہ ڈاکٹر صاحب کے مقدمات کے متعلق کہوں گا کہ ان کو پڑھ کر یہ پتا چلتا ہے کہ یہ کسی کی فرمائش پر نہیں لکھے گئے بلکہ ڈاکٹر صاحب ان شخصیات کے کارناموں پر مقدمہ لکھنے پر مجبور ہو گئے۔

---

[۱] مقدمہ عبدالحق مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی

آپ کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اس بات کی صداقت کی قسم کھاتا ہے کہ آپ کو ان صاحبانِ علم و ادب سے بے پناہ عقیدت ہے۔ ان مقدمات سے عقیدت مندی، نیاز مندی اور عجز و انکساری کی وہ خوشبو آتی ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا پسند ہے۔ ان مقدمات کا فکری مرکز جہاں تصوف کے نکات اور یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے وہیں اس کے ساتھ ساتھ ان کی ادبی شان کی بھی بھرپور نمایندگی کی گئی ہے۔

دیوانِ حلیم پر لکھے گئے مقدمے میں آپ نے حضرت شاہ عبدالحلیم رح کے سلسلۂ نقشبندیہ سے منسلک رکھنے کی نشاندہی فرمائی ہے۔ اور پھر سلسلۂ نقشبندیہ میں تصوف و معرفت کے ان مختلف مدارج کی جانب اشارا کیا ہے۔ جن سے حضرت شاہ عبدالحلیم رح فیض یاب ہوئے۔ دیباچے اور قصیدے سے لیکر پورے دیوان کا احاطہ کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ زبان کی دلکشی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پورے دیوان پر اپنے خیال کا اظہار کرتے ہیں۔

"سلوک کے مختلف مضامین اور متعدد موضوعات دلکش زبان و بیان میں آگئے ہیں۔ اور یہی ایک مخصوص انداز ہے جو پورے دیوان میں موجود ہے" [1]

[1] "تحریر و تقریر" مقدمہ از دیوان حلیم صـ ۳۴

اس کے بعد حضرت عبدالحلیم کے اس قصیدے کے متعلق جو کہ آپ نے اپنے پیر و مرشد کی شان میں کہا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"دیباچے کے بعد حضرت شاہ صاحب کا ایک قصیدہ ہے جو ان کے شیخ حضرت سید زماں شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کی مدح میں ہے اور یہ حقیقت ہے کہ وہ اپنے رموز حقیقت اور ادبی شان کے لحاظ سے پورے دیوان کی جان ہے" ۱؎

قبلہ ڈاکٹر صاحب کے سامنے اس قصیدہ کو سراہنے کے پیچھے قصیدہ نگاری کی ایک پوری تاریخ پیش نظر رہی ہے۔ وہ قصائد کی تمام تر فنی خوبیوں اور فن قصیدہ نگاری سے واقف ہیں۔ چنانچہ جب وہ شاہ صاحب کے قصیدے کو سراہتے ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ ان قصائد نگار کا جو کہ اس صنف میں اپنا مقام پیدا کر چکے ہیں۔ موازنہ کرنا نہیں بھولتے ہیں۔ چنانچہ سلوک کے نکات کے بیان کے ساتھ ساتھ قصیدہ نگاری کے فنی لوازمات کی جانب بھی بھرپور اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"زورِ بیان، رفعتِ تخیل اور تراکیب کا یہی انداز پورے قصیدے میں موجود ہے۔ آخر میں رجوع و خطاب میں فنا فی الشیخ کی منزل آتی ہے اور خلوص کی انتہا کر دی ہے"۔ ۲؎

۱؎ تحریر و تقریر — مقدمہ از دیوانِ حلیم ص ۳۴-۳۵

۲؎ "تحریر و تقریر" — مقدمہ از دیوان حلیم ص ۳۴

اور پھر حضرت شاہ صاحبؒ کے اشعار درج فرماتے ہیں اور ان اشعار کے آخری شعر اور آخری مصرعے پر اپنے خیال کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ پہلے حضرت حلیمؒ کا وہ شعر بھی نقل کر دیا جائے۔

نہ میں رہوں، نہ مری آرزو رہے باقی — مرا ظہور ہی ہو جائے تہمت و بہتان

"آخری شعر کے آخری مصرع میں جو خلوص ہے اس پر خلوص و احسان کی بڑی بڑی تقریریں قربان ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ایسے پاکیزہ قصیدے اردو میں شاذ و نادر ہی کہیں نظر آتے ہیں" [۱]

قبلہ ڈاکٹر صاحب نے سلوک کی مختلف منازل کے بیان کے ساتھ ساتھ اشعار میں موجود بعض اہم نکات کو واضح کیا ہے۔ چنانچہ چند اشعار سے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ۔

"مجھ جیسا بے مایہ شخص یہ شعر پڑھے گا تو یہی سمجھے گا کہ شاہ صاحب نے مدینہ علیہ میں بیٹھ کر لکھا ہوگا لیکن جب یہ واقعہ ہے کہ شاہ صاحب جسمانی طور پر مدینہ طیبہ کبھی نہیں پہنچے تو پھر یہی ظاہر ہے گا کہ وہ "حقیقتِ محمدی" والی منزل تھی، جہاں مدینہ ہی سالک کے لئے جائے قیام بن جاتا ہے اور روح کے ساتھ جسم بھی قرب حاصل کر لیتا ہے"۔ [۲]

یہاں قبلہ ڈاکٹر صاحب کے تجاہلِ عارفانہ سے کام لینے سے جو مزہ

---

[۱] تحریر و تقریر — مقدمہ از دیوان حلیمؒ ص ۳۵

[۲] تحریر و تقریر — مقدمہ از دیوان حلیمؒ ص ۳۹

پیدا ہو جاتا ہے وہ بیان سے باہر ہے اور اسی مقام پر ڈاکٹر صاحب کی عجز و انکساری سراپا سپاس نظر آتی ہے۔[1]

ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ آپ نے جگہ جگہ شاہ صاحب کے دیوان سے اشعار نقل فرما کر ان کی ادبی و امتیازی نشان و شوکت اور ظاہری و معنوی خوبیوں کو بیان کیا ہے اور حضرت عبد الحلیمؒ کی بعض غزلوں کو سادگی و برجستگی کی عمدہ مثالیں قرار دیا ہے اور بلا شبہ یہ مقدمہ ڈاکٹر صاحب کا ایک معرکۃ الآرا مقدمہ ہے جو اپنے اندر تمام رموز و رعنائیاں سمیٹے ہوئے ہے۔

بشیر درانی کا تغزل :- ڈاکٹر صاحب نے یہ مقدمہ انتہائی دلچسپ انداز میں تحریر کیا ہے۔ اس مقدمے کی ابتدا ہی بہت دلکش انداز میں کی گئی ہے۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے آج کل کے شعرا کا ایسا خاکہ پیش کیا ہے جو کہ اپنے حلیے اور اخلاقی اعتبار سے بالکل ہی مفلس ہیں۔ اس تمام ہیئت کذائی کا اصل مقصد بشیر صاحب کی انفرادیت کو پیش کرنا ہے۔ جو کہ عام شعرا سے بہت مختلف ہیں چنانچہ رقمطراز ہیں۔[2]

لیکن بشیر صاحب جیسے شعرا بہت کم نظر آتے ہیں۔ جن کے یہاں تہذیب اور شرافتِ نفس ہر وقت پیش پیش اور بیش بیش بھی ہے۔ اور

۱؎ تحریر و تقریر — مقدمہ از دیوان حلیمؒ ص ۳۹

۲؎ تحریر و تقریر — بشیر درانی کا تغزل ص ۸۰

۳؎ تحریر و تقریر — بشیر درانی کا تغزل ص ۸۰

یہی چیز ان کے کلام میں ہر جگہ موجود ہے" [1] اور پھر دورِ حاضرہ کے عام شعرا پر ایک طنز کر جاتے ہیں۔

وہ عام شعرا کی طرح مسلمان ہونے پر شرماتے نہیں بلکہ اپنے اسلام پر فخر کرتے ہیں" [2] اور پھر بشیر صاحب کے اوصافِ حمیدہ کو آپ کی شاعری پر دلالت کرتے ہوئے جگہ جگہ ایسے اشعار نقل کئے ہیں۔ جن سے بشیر صاحب کے صاحبِ کردار ہونے کے سبب ان کی غزل بڑی دلکشی پیدا ہونے کی نشان دہی کی ہے۔ اس کے ساتھ حضرت بشیر کے عہد سے متعلق (جو کہ متاخرین یا ان کے متوسلین کا دورہ ہے۔) اشارہ کرتے ہوئے تکرارِ الفاظ یا الفاظ کے الٹ پھیر کے ساتھ جو اچھے اچھے مضامین پیدا کیے گئے ہیں۔ ان کی جانب توجہ دلا کر صاحبانِ ذوق کی تسکین کا سامان کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب غزل کے تنگئ داماں ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں حسن و عشق کی کیفیات کے سوا اور کچھ کہنا مشکل ہی ہوتا ہے۔ لیکن مقطع میں اس بات کی ضرور گنجائش ہوتی کہ شاعر اپنے معاشرتی تجربات اور حقائق کا ذکر بھی کر دے اور یہ بات بشیر صاحب کے یہاں پائی جاتی ہے اور ان مقطعوں ہی کی بدولت حضرت بشیر درانی کی زندگی اور تجربات کا پتہ چلتا ہے چنانچہ اپنے اس مقدمے کے اختتام میں رقمطراز ہیں

"صرف ان اشعار کے مطالعے سے بشیر صاحب کے ذاتی حالات مختلف

---

[1] تحریر و تقریر — بشیر درانی کا تغزل — صفحہ ۸
[2] تحریر و تقریر — بشیر درانی کا تغزل — صفحہ ۸

رجحانات اور زندگی کے تجربات و مشاہدات کا ایک مختصر لیکن جامع خاکہ تیار ہوسکتا ہے'' [1]

وفا شناسی :۔ سائنٹفک رویے میں سب سے پہلے جس بات کو مقدم جانا جاتا ہے وہ کسی فن کار کے ''زمان و مکان'' کا بھرپور جائزہ لینا ہے۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب کے اکثر و بیشتر مقدمات میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ چنانچہ جب بھی وہ اپنے فنکار کو متعارف کراتے ہیں تو اس کے ماحول اور زمانے کا بالخصوص خیال رکھتے ہیں کیونکہ اس کا فن، اس کے ماحول، زمانے اور صحبت کا پتہ دیتا ہے۔ چنانچہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب وفا کے ماحول اور شخصیت کے بیان کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ رقمطراز ہیں :۔

خود وفا صاحب نے جن بزرگوں کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی ہے ان کا پرتو ان کی صورت اور سیرت میں موجود ہے۔ اللہ پاک نے کیا ہستیاں ظاہر فرمائی ہوں گی جن کی عکس ریزیاں اب بھی انوار تجلیات کی مظہر ہیں اور جن کی ضیا پاشیاں کیسے کیسے لوگوں کے دلوں کے دکو منور کرتی ہیں۔ [2]

مخلص اور شفیق بزرگوں کی موجودگی میں آپ کی شخصیت اور شاعری کا انتہائی خوبصورتی کے ساتھ جامع انداز میں احاطہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

'' وفا صاحب کی طبیعت میں خلوص کی وجہ سے تیزی بھی ہے اور اسی

---

[1] تحریر و تقریر — بشیر درّنی کا تغزل — صہ ۸۴

[2] ،، ،، — وفا شناسی — صہ ۲۲۹

خلوص کی وجہ سے ایسی رقت بھی ہے۔ جس پر سیکڑوں نفلی عبادتیں قربان ہیں۔
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کس مسلمان کو نہیں لیکن وفا صاحب
کچھ ایسی والہانہ شیفتگی سے بہرہ مند ہیں کہ بڑے بڑے اہل دل حضرات کے
یہاں بھی یہ خصوصیت کم نظر آتی ہے ۔ یہ شیفتگی اور وارفتگی دراصل
ان کی شاعری کی اساس ہے ۔ لہ

اور پھر عشق و محبت کی وارفتگیوں سے جو طوفان وفا صاحب کے
کلام میں اٹھا ہے ۔ متعدد اشعار سے ان کو واضح کیا ہے ۔ اور اس دعوے
کے ساتھ کہ یہ نہ صرف اہل عشق کے لئے ایک تحفہ ہے بلکہ اساتذۂ فن
ان اشعار کی داد دینے پر مجبور رہیں ۔ اس مختصر سے مقدمے میں ڈاکٹر صاحب
قبلہ نے حضرت وفا کے فن اور حضرت وفا کو بھرپور خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

ان مقدمات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب
کے یہ مقدمات علمی و ادبی نکات کی منہ بولتی تصاویر ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب کے
عمیق مطالعے کا پتہ دیتے ہیں ان مقدمات میں ڈاکٹر صاحب کی ذاتی عقیدت
کے سبب صاحبِ فن اور فن کے لئے خلوص کی بے پناہ چاشنی ملتی ہے
چہ جائیکہ ڈاکٹر صاحب تنقیص نگاری کو پسند نہیں فرماتے ہیں لیکن یہ
کہنا بھی غلط ہوگا کہ ان کے یہاں فنکار کے کلام کے جائزے کے دوران

لہ تحریر و تقریر وفا شناسی ص ۲۰۹ ۔ ص ۲۱۰

نقائص کا بالکل ہی خیال نہیں رکھا جاتا۔ بلاشبہ آپ اپنے فنکاروں سے حقیقی نسبت رکھتے ہیں لیکن کہیں کہیں نہایت دھیمے لہجے میں اس جانب بھی اشارہ فرماتے ہیں دیوانِ حلیم کے مقدمے میں یہ سطور قابلِ غور ہیں

"وہ دیباچہ جو خود ان کی تصنیف ہے تصوف اور معارفت کے مختلف مشارب پر حاوی ہے اور گو کہ مسجع اور مقفیٰ عبارت سے آراستہ ہے۔ تاہم وہ اپنے مصنف کے خلوص پر شاہد ہے اور حقائق حقیقت کا ترجمان ہے۔" [1]

مقدمہ وفا شناسی میں حضرت وفا کے کلام میں تنقیص کا رنگ عجب رنگ بکھیر رہا ہے۔ رقمطراز ہیں :۔

عروضیوں کو دو چار جگہ ناک بھوں چڑھانے کا موقع ہاتھ آسکتا ہے اور کہنہ مشق اساتذۂ فن حرف گیری کا شرف بھی حاصل کر سکتے ہیں :۔ [2]

اسلامی تاریخ و اسلامی علوم پر مبنی آپ کے یہ مقدمات میں فن تحقیق کی بلندیوں کو چھور ہے ہیں۔ یہ مقدمات ڈاکٹر صاحب قبلہ کی انتھک مساعی جمیلہ کا ثمر ہیں۔ ان میں سے بیشتر مقدمات دینِ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے داعی ہیں جن میں سے کچھ تو خالصتاً اسلامی تاریخ پر محیط ہیں اور اپنے عہد کی زندہ تصویریں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ بہترین شخصی تجزیہ ...

---

[1] تحریر و تقریر — دیوانِ حلیم — ص ۳۳

[2] تحریر و تقریر — نقشِ وفا — ص ۲۱

بحث کرتے ہیں۔ ان مقدمات میں سے بعض میں ادبی و لسانی نکات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس لیے ان مقدمات کی اہمیت بیک وقت علمی، اسلامی، تاریخی، شخصی تجزیے اور ادبی و لسانی نوعیت کی ہو جاتی ہے۔ ان میں سے بیشتر مقدمات اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ آپ نے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ پر نہایت ہی وقیع اور تحقیقی کام کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ بعض مقدمات کا اصلاحی پہلو بعض مشاہیر اسلام پر عائد شدہ الزامات کی روک تھام اور ان کے معقول جوابات کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

لوایح خانقاہِ مظہریہؒ :۔ اس پر درج شدہ مقدمہ ڈاکٹرؒ صاحب کا سب سے طویل ترین اور تحقیق کا ایک عمدہ شاہکار ہے۔ یہ مقدمہ حضرت مظہر جانِ جاناں کے خطوط پر لکھا گیا ہے جس کی بدولت آپ کی شخصیت کا بھرپور عکس ابھرتا ہے یہ مقدمہ اپنے اندر تاریخی واقعات بھی سمیٹے ہوئے ہے۔ اور ان واقعات و حالات کی نشان دہی بھی کرتا ہے جن سے حضرت مظہر نبرد آزما رہے۔ ڈاکٹرؒ صاحب نے حضرت مظہر کے مرتبہ مکتوبات پر لکھے گئے مقدمے میں ان خطوط کی ادبی اہمیت بھی واضح کی ہے۔ اس کتاب کو مرتب کرنے میں آپ نے کس قدر محنت سے کام لیا ہوگا۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہو جاتا ہے کہ انہیں مرتب کرنے کے لیے آپ نے کوچہ کا سفر اختیار کیا۔ جس کا ذکر مقدمے میں کیا ہے۔ مرتبہ مکتوبات کی روشنی میں ڈاکٹرؒ صاحب نے اس بات کی نشان دہی فرمائی ہے کہ اس میں حضرت مظہرؒ کے خطوط کے علاوہ ان خطوط سے بھی مدد لی گئی ہے۔ جو کہ حضرت مظہرؒ کے نام تحریر

کئے گئے ہیں - چنانچہ ان مکتوبات کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"اور اس مجموعے کی بدولت حضرت مظہرؒ اور ان کے احباب اور مریدین کے مابین تعلقات و مراسم کی تصویر زیادہ واضح طور پر ابھرتی ہے"

حضرت مظہرؒ کے مکتوبات میں اسلوب کا پتہ دیتے ہوئے انہیں پر تکلف اور رسمی القاب و آداب سے معرا قرار دیتے ہیں اور جن القابات سے آپؒ نوازے گئے ہیں۔ ان کی نشان دہی بھی فرمائی ہے - چونکہ بعض خطوط پر لکھنے والے کا نام تک موجود نہیں ہے - لیکن اس سلسلے میں بھی آپنے انتہائی تحقیق سے کام لیا ہے جس کا اندازہ آپ کے اس بیان سے ہو جاتا ہے۔

"حضرت مظہرؒ کے نام مریدین و متوسلین کے جو مکتوبات ہیں ان میں حضرتؒ کے لئے القاب و آداب کا ایک مخصوص اور منفرد انداز گویا اکثر نے اپنے لئے جدا جدا مقرر کر لیا ہے اور اسی سبب سے بعض نا معلوم الاسم مکتوبات لکھنے والوں کے نام معلوم کرنے میں مرتب کو مدد بھی ملی ہے۔"[2]

احباب اور مریدین کے خطوط کی عبارت میں بھی وہی سادگی و بے تکلفی اور چھوٹے چھوٹے جملوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور متعدد امثال سے ان کو واضح بھی کیا ہے۔ حضرت مظہرؒ کے ممتاز خلفا کے متعلق یہ درج کیا ہے کہ ان کے مکتوبات میں طلب و رشد و ہدایت یا طلب نصیحت پر کوئی چیز نہیں ملتی۔

لے مقدمہ تواریخ خانقاہِ مظہریہؒ مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں

۲ " " " " " "

بلکہ یہ مکتوبات حضرت کی گھریلو زندگی اور روزمرہ کے معاملات تعلقات اور مراسم کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ان تمام حقائق کو منظر عام پر لانے کے لئے ڈاکٹر صاحب نے انتہائی عرق ریزی کی ہے۔ ان مکتوبات کی روشنی میں حضرت مظہر پر لگائے گئے بے جا الزامات کے جوابات کچھ یوں دیتے ہیں۔

"حضرت مظہر رح کی دلکش شخصیت کے جو جو پہلو حسن بے تکلفی اور سچائی کے ساتھ ان مکتوبات میں نظر آتے ہیں۔ وہ اور کہاں ملیں گے؟ تاریخ کی رنگ آمیزیاں تو اچھی اچھی شخصیتوں کو کچھ کا کچھ بنا دیتی ہیں اور حضرت مظہر رح کی دلکش اور دلآویز شخصیت کے ساتھ تو بعض اہل قلم نے دانستہ کچھ زیادتیاں کی ہیں"

مقدمہ اثبات النبوۃ تاریخی نوعیت کا مقدمہ ہے اس میں حضرت مجدد الف ثانی رض کی دینی خدمات کا جائزہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اس دور کا احاطہ کیا گیا ہے جبکہ شہنشاہ اکبر مذہب اسلام کے درپے اور اللہ سے باغی ہو گیا تھا اس کی اس بغاوت میں خواص و عوام دونوں کو بری طرح متاثر کیا اور اسلام برائے نام ہو کر رہ گیا ان تمام واقعات کے بیان میں ڈاکٹر صاحب جو بات بھی ضبط تحریر میں لائے ہیں ان کا ہر جگہ صفحہ نمبر کے ساتھ حوالہ دیا ہے۔ اور حضرت مجدد الف ثانی رض کی اولوالعزمی علمی خدمات اور جہاد بالقلم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے

"پھر دین سے متعلق جتنے مسائل ۱۰۰۱ھ سے آج تک کھڑے ہوئے ہیں اور آئندہ بھی دوسرے ہزار کے اختتام تک (اگر دنیا قائم رہی) کھڑے ہو جائیں گے ان سب کا حل صراحتاً یا کنایتاً مکتوبات شریف میں موجود ہے اس سے بڑھ کر آپ رض

کے مجدد الف ثانی ہونے کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟" لہ

تحفۂ زواریہ جو کہ حضرت شاہ احمد سعیدؒ کے مکتوبات پر مبنی ہے اس
کے فارسی مقدمے میں حضرت شاہ احمد سعید دہلویؒ کی سوانح حیات کے سا
ساتھ ان تمام اسلامی علوم کا ذکر فرمایا ہے جن پر آپؒ نے کمال دسترس حا
کیا تھا۔ آپ کی علمی وعملی افضلیت کو سراہتے ہوئے حضرت شاہ غلام علیؒ
کے ایک رسالے سے یہ منقول فرمایا ہے۔

" حضرت احمد سعید فرزند ابوسعیدؒ با علم وعمل وحفظ قرآن مجید واحوا
نسبت شریفہ قریبہ است بوالد ماجد خود" ٢ہ

اور پھر آپ کی عبادات کے عالم میں جو کشف وکرامات ہوئیں ان کا ذکر
آپؒ اور آپؒ کے بزرگوں کی روشنی میں نقل فرماتے ہیں۔ مقدمے کے آخر میں ان
اوقات اور وظائف کا ذکر کیا ہے جو کہ حضرت نے بیان کیے ہیں۔

مکتوبات معصومیہؒ کے فارسی مقدمے میں ان مساعی جمیلہ کی جانب اشا
کیا ہے جو اس مقدمے کو لکھتے ہوئے انجام دی ہیں۔ اس مقدمے میں مکتوبات کو
تعارفی اعتبار سے تین دفتروں میں تقسیم کیا ہے اور آخر میں عمیق مطالعے کی روشنی
میں [illegible] شدہ تمام خاص واقعات کو انتہائی جانفشانی سے سنین کی ترتیب کا
خیال رکھتے ہوئے بیان کیے ہیں۔

جامع القواعد (حصہ نحو) پر لکھا گیا یہ مقدمہ بھی دیگر مقدمات کی طرح خاص اہم

لہ مقدمہ اثبات النبوۃ صفحہ ۴

٢ہ مقدمہ تحفۂ زواریہ مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ص ۵

دیکھتا ہے یہ مقدمہ نحو کی تعریف اس کی تدوین اور اس کی اجمالی تاریخ پر محیط ہے اس مقدمے میں نحو پر لکھی گئی بیشتر کتابوں کا انتہائی اختصار سے تعارف پیش کیا گیا ہے نحو سے متعلق تمام ممکنہ تعریفوں کو زیر بحث لائے ہیں جن میں نہ صرف اہل زبان کی تصانیف سے استفادہ کیا گیا ہے۔ بلکہ مستشرقین کی بعض کتابوں پر بھی فکر انگیز خیالات کا اظہار کیا ہے نحو اور منطق کے تعلق پر غور کرتے ہوئے نحو کی ترتیب میں نئے نئے رجحانات کے (۱) ہو نے کی نشان دہی کی ہے۔ نحو کے تقابلی مطالعے پر زور دیتے ہوئے مغرب کے نحویوں کے فکر انگیز خیالات کو پیش کیا ہے اور انہیں سراہا ہے۔

اور اب آخر میں ان مقدمات کا ذکر کرتا چلوں جو کہ قبلہ ڈاکٹر صاحب کی اپنی شخصیت علمی و ادبی سرگرمیوں اور عملی زندگی کا پتہ دیتے ہیں ان مقدمات کے پڑھنے سے جہاں آپ کے حیات علمی و ادبی کوششوں کا پتہ چلتا ہے وہیں آپ کی شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو یعنی عجز و انکساری ابھر کر سامنے آتا ہے۔ آپ صاحب علم ہوتے ہوئے بھی کبھی بھی فخریہ کلمات اپنی زبان سے ادا نہیں کرتے ہیں ادبی جائزے کے مقدمے میں اپنے ایک مضمون کے بارے میں جو کہ کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی برار کے میگزین میں شائع ہوا تھا۔ ایک صاحب نے اس کی اشاعت کے آٹھ نو سال بعد غالباً یہ سمجھ کر کہ اس کا لکھنے والا وفات پا چکا ہوگا اپنی طرف سے یہ مضمون رسالہ امیر الادب (لوہاردا) میں ہو بہو شائع کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب یہاں ان صاحب کا نام تک درج نہیں کرتے بلکہ چشم پوشی کر جاتے ہیں یہ آپ کے شریف النفس ہونے کی ایک واضح دلیل ہے اور پھر ان مضامین کی اہمیت واضح ہو چکنے کے بعد اس طرح لکھتے ہیں۔

لکھتے ہیں۔ " اسی طرح اندازہ ہوا کہ دنیا اور اس جیسے کچھ اور مضامین ہیں اگر یکجا شائع ہو جائیں تو شاید بُرے نہیں رہیں گے ۔۔۔۔ ورنہ راقم الحروف کو تو اپنے متعلق یہی ظن غالب رہا کہ

ہم کہاں کے دانا تھے، کس ہنر میں یکتا تھے۔

عجز و انکساری کا عنصر تقریباً ایسے تمام مقدمات میں ملتا ہے۔

عرض مختصر یہ ہے کہ جناب قبلہ ڈاکٹر صاحب کے یہ مقدمات ان کی شخصیت کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں خوف خدا آپ کے دل میں ہر لمحہ جاگزیں رہتا ہے۔ اس لئے آپ کے قلم سے صادر ہونے والا ایک ایک لفظ اسی پاک ذات کی حمد و ثنا کرتا نظر

میں یہاں انتہائی معذرت کے ساتھ ایک مرتبہ پھر یہ عرض کر رہا ہوں کہ میں اس کار احسن سے بخوبی عہدہ برآ نہیں ہو سکا ہوں۔ چند مقدمات جو کہ اب میری نظروں میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں اور اس کے علاوہ بعض انگریزی مقدمات جیسے دیوانِ عظیم تقوی کا مقدمہ ہے اس مرتبہ کتاب میں صرف اسی وجہ سے شامل نہیں کر سکا ہوں کہ یہ کتاب اردو میں ترتیب دی گئی ہے۔ انشاء اللہ تعالےٰ آئندہ کسی مناسب وقت پر بقیہ مقدمات کو بھی شامل کر دیا جائے گا۔

بندۂ ناچیز

مرزا طارق حسین طارق

۲۰ مارچ ۱۹۸۳

دیوانِ حلیمؔ

حضرت شاہ عبدالحلیم رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی سلسلے کے ایک باکمال بزرگ تھے۔ اور ان کا پورا دیوان اسی مسلک کا آئینہ دار ہے۔ دیباچہ جو خود ان کی تصنیف ہے۔ تصوف اور معرفت کے مختلف مشارب پر حاوی ہے اور گو کہ مسجع اور مقفیٰ عبارت سے آراستہ ہے تاہم وہ اپنے مصنف کے خلوص پر شاہد ہے اور حقائق حقیقت کا ترجمان ہے سلوک کے مختلف مضامین اور متعدد موضوعات دلکش زبان و بیان میں آگئے ہیں اور یہی ایک مخصوص انداز ہے جو پورے دیوان میں موجود ہے۔ دیباچے کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک قصیدہ ہے جو ان کے شیخ حضرت سید زماں شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کی مدح میں ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ وہ اپنے رموزِ حقیقت اور ادبی شان کے لحاظ سے پورے دیوان کی جان ہے ابتدا اسکی یوں ہوتی ہے۔

بھرا ہوا ہے گل شوق سے مرادماں مئے نشاط سے چہرہ ہے مثل حور تاباں

ؔ دیوان حلیم کا مقدمہ ۔ حیدرآباد ۱۹۵۶ء

دماغ بادۂ جامِ الست سے پُرکیف
نگاہ جلوۂ حسنِ وجود سے حیراں

طبیعت اوجِ معانی کی فکر میں مشغول
خیال شوقِ عروج و علو میں سرگرداں

گویا شروع ہی سے زورِ بیان آجاتا ہے اور زبان کی لطافت و نزاکت کے ساتھ ساتھ تخیل کی رفعت شروع ہو جاتی ہے بلکہ مخصوص مصطلحاتِ صوفیہ کا التزام بھی پایا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

کبھی بقا سے فنا کی طرف پہنچتا ہوں
کبھی فنا سے فنا الفنا میں سیر کناں

کبھی حضور سے جاتا ہوں سوئے غیب الغیب
کبھی ہے میری گذرگاہ عالم اعیاں

اسی طرح صفات، ذات، شاہد تنزیہ، شیون جمالی، شہود، وحدت مرکبات، بسائط، تفرید، ظہور، بطون وغیرہ مختلف مقامات یا کیفیات کا ذکر ہے۔ جو مصنف کے ذکر و فکر سے بھی ضرور متعلق ہوں گے۔ اردو میں جو قصائد خاقانی کے انداز پر لکھے گئے ہیں۔ ان میں ذوق کے قصیدوں کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ اور ذوق کے انداز میں ایسی دلکشی پیدا ہو گئی ہے کہ اخلاق کے باوجود ان کو شہرت اور مقبولیت حاصل ہے۔ شاہ صاحبؒ کا یہ قصیدہ بھی اسی انداز کا ہے۔ چند اشعار دیکھئے:۔

جو فلسفی کے مسائل تمام روشن ہیں
تو منطق اور ریاضی ہیں میرے نوکِ زباں

کبھی حدیث کی صحت پہ بحث کرتا ہوں
کبھی صداقتِ قرآں پہ لاتا ہوں برہاں

بدیہیات ہوئے ہیں تمام نظریات
نتیجہ خیز ہر اک شکل ہر زماں، ہر آں

جو جزئیات پہ حاوی ہے حافظہ میرا
تو کلیات میں کہتا ہوں خود کو میں ہمہ داں

تسلط میں ہے میری ترکیب
نمونہ ہیں میری تفرید کے تمام ارکاں

زور بیان رفعت تخیل اور تراکیب کا بھی انداز پورے قصیدے میں
موجود ہے ۔ آخر میں رجوعِ وخطاب میں فنا فی الشیخ کی منزل آتی ہے ۔ اور
خلوص کی انتہا کر دی ہے ۔ فرماتے ہیں :۔

مرا وجود، مرا نام، نہ نمود نہ بود — کچھ اس طرح سے مٹیں پھر کوئی نہ پائے نشاں
نہ سمجھے کوئی کہ عبد الحلیم تھا کوئی — ہو مری ہستیٔ فانی خیال و وہم و گماں
نہ میں رہوں، نہ مری آرزو رہے باقی — مرا ظہور ہی ہو جائے تہمت و بہتاں

آخری شعر کے آخری مصرع میں جو خلوص ہے اس پر خلوص و احسان کی بڑی
ی تقریریں قربان ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ایسے پاکیزہ قصیدے اردو
ں شاذ و نادر ہی کہیں نظر آتے ہیں ۔

اس قصیدے کے بعد غزلیں شروع ہوتی ہیں ۔ ان میں بھی وہی مقامات
ے ہیں اور انہی کیفیات کا ذکر ہے ۔ جو اہل ذکر حضرات سے متعلق ہیں ۔ پہلی
زل تو بالکل قصیدے کے رنگ میں ہے ۔

ر عرفاں سے منور ہے ورق عنوان کا — مشرقِ توحید ہے مطلع مرے دیوان کا
بلِ سدرہ مری تقریر سن کر دنگ ہے — طائرانِ قدس میں غل ہے مرے الحان کا
لمِ ملکوت کے مجھ پر عیاں ہیں راز سب — عالمِ اعیاں میں شہرہ ہے مرے عرفان کا
ری آنکھوں میں عیاں ہیں شعبدے تکوین کے — میرے سینے میں نہاں ہے مرحلہ پیمان کا
ہن میں ہیں کثرتِ موہوم کی سرگرمیاں — عالمِ تخییل میں ہے اختلاط ارکان کا
اجب و ممکن کی قیدوں میں پڑے مری بلا — عالمِ تقیید پہلو ہے مرے نقصان کا

اس طرح سلوک کے مختلف مقامات کا ذکر ہے ۔ اور یہ کیفیت

شروع سے آخر تک ہے۔ ایک اور مرصع غزل کے چند اشعار دیکھئے اور ا
چشم حقیقت طراز" کے انداز سے ملاحظہ فرمایئے:۔

کیا پوچھنا ہے چشم حقیقت طراز کا   جمتا نہیں نگاہ میں نقشہ مجاز کا

مطلع کے بعد ہی ایک ایسا مضمون آتا ہے جو صرف قال نہیں بلکہ حال ہے

کانوں میں آ رہی ہیں صدائیں حبیب کی   نغمہ ہے گوش دل میں حقیقت کے ساز کا

شیخ کامل کی خدمت میں اہل دل حضرات جب نقشبندی سلوک کی
"مشاربات" کی منازل سے گزرتے ہیں تو کچھ اسی حقیقت کے ساز کی آواز
سننے کی سعادت حاصل کرتے ہوں گے۔ دراصل یہ ایک رمز ہے جس
حقیقت سے مجھ جیسا بے مایہ شخص کیا واقف ہو سکتا ہے۔ پھر شاہ صاحب
فرماتے ہیں کہ:۔

دنیا تو کیا ہے اپنی بھی پرواہ نہیں رہی   ادنیٰ نمونہ ہے کریم بے نیاز کا

یہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ...... کی منزل سے بھی آگے ہے۔ واقعی عجیب منزل
ہے۔ جس کا اظہار بعض جگہ ہو جاتا ہے لیکن ایک اور رمز ہے جس سمجھنا بہت
مشکل ہے وہ یہ ہے:۔

مطلب یہ ہے کہ در پہ تمہارے پڑے رہیں   سجدے کو جانتے ہیں نتیجہ نماز کا

اس شعر میں "تمہارے" سے جو ہستی مراد ہے وہ ایک ایسا راز ہے
اہل اللہ کبھی ہم لوگوں پر ظاہر کرنا نہیں چاہتے اور قل ان کنتم تحبون اللہ
فاتبعونی یحببکم اللہ کہہ کر گزر جاتے ہیں۔ بہر حال اس غزل کے لحاظ
کا ذکر اس شعر میں آ جاتا ہے۔

اللہ خود درود پڑھے جن کے حسن پر
کیا منھ ہے اس کے سامنے حسنِ مجاز کا

اس "حسن مجاز" یا غیر اللہ کے تمام محاسن ایسی پاکیزہ ہستی (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کے حسن کے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہیں! رحمۃ اللعالمین کا فیض تو دوست اور دشمن سبھی پر ہے :-

دشمن بھی اس کے فیض سے ہوتے ہیں فیضیاب خوانِ کرم وسیع ہے شاہِ حجاز کا

آخر میں شاہ صاحب اپنے اس "حال" اور ان "رموز" کے متعلق خود بھی فرما دیتے ہیں کہ :-

نکتے بہت ہیں کہنے کے قابل مگر حلیم خاموش ہوں کہ خوف افشائے راز کا

بات دراصل یہ ہے کہ اولیائے کرام جب کبھی مجاز کے پردے میں حقیقت کا ساز پیش کرتے ہیں۔ تو ع

بنتی نہیں ہے بادۂ ساغر کہے بغیر

لیکن پھر بھی احتیاط ملحوظ رکھتے ہیں تاکہ اہل معاملہ کے علاوہ دوسرے حضرات کچھ اور مطلب نہ نکالیں۔ حالانکہ :- ع

مطلب یہ ہے کہ در پہ تمہارے پڑے رہیں

اور اہل دل تو اپنی ہستی کھو بیٹھے ہوں گے جبکہ وہ اس منزل پر پہنچے ہوں گے :-

اس طرح سے ظاہر ہوا تو دیدۂ جاں میں میں میں نہ رہا جبکہ تو ہی تو نظر آیا

نقشبندی حضرات کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے ملتا ہے۔ اور مراقبہ اور تصور سے ان کے اذکار کی ابتدا ہوتی ہے
شاہ صاحب اسی "تصدیق" اور "تصور" کا اشارہ اس شعر میں کرتے ہیں

جب پایا تجھے جلوہ نما دل ہی میں پایا
تصدیق و تصور میں مجھے تو نظر آ

بسط اور قبض کی کیفیات بھی اہل سلوک پر گزرتی ہیں۔ ایک
طالب صرف ایک اشارے سے قبض کی جکڑ بندیوں سے دور ہو سکتا

ابھی اڑ کے پہنچوں مدینے میں شاہا
مجھے گر ہو کچھ بھی اشارہ تمہارا

اسی لئے صبا سے بھی اسی اشارے اور اسی خوشبو کی توقع
ہیں کہ :۔

اب تک شمیم گیسوئے سرور نہ لا سکی
تو نے مدینہ جا کے بھلا کیا صبا

یہاں سرور کے گیسو کی شمیم میں جو ادبیت پائی جاتی ہے وہ اہل ادب
سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن اس ادبیت سے قطع نظر شاہ صاحب اس وقت ایک
ایسی منزل کی طرف اشارہ کرتے ہیں جہاں فراق کی کڑی گھڑیاں بھی گزارنی
پڑتی ہیں۔ اور ہچکیوں کے تار بندھ جاتے ہیں :۔

بندھا ہے تار ہچکی کا حکیم اب چل مدینے کو
ترے آقا ترے مولا تجھے اب یاد کرتے ہیں

اب "یاد کرنا" بھی ایک خاص مقام کی طرف اشارہ ہے۔ معلوم ہوتا
ہے کہ اس منزل پر شاہ صاحب کو قریب ایک سال کی مدت درکار ہوئی تھی

دیکھئے کب تک مدینے کی زیارت ہو نصیب؟

ہے عجب حسرت ہماری سال بھر سے دیکھنا

آخرکار وہ مقام حاصل ہوا جس کے لئے ہر سالک بیتاب ہوتا ہے۔
اور جو "حقیقت محمدی" والی بلند ترین منزل ہے:۔

جس طرف دوڑتی ہیں اپنی نگاہیں واللہ
جلوۂ احمدِ مختار نظر آتے ہیں

یہاں "واللہ" کوئی شاعرانہ تکیہ کلام نہیں بلکہ حقیقت ہی حقیقت ہے۔ اسی شعر کے بعد فرماتے ہیں۔

روضۂ پاک کو دیکھے کوئی ان آنکھوں سے
نور کے سب در و دیوار نظر آتے ہیں
ہند کا قصد ہے کیوں چھوڑ کے یثرب کو کلیم
روسیاہی کے کچھ آثار نظر آتے ہیں

مجھ جیسا بے مایہ شخص یہ شعر پڑھے گا تو یہی سمجھے گا کہ شاہ صاحب نے مدینہ عالیہ میں بیٹھ کر لکھا ہوگا۔ لیکن جب یہ واقعہ ہے کہ شاہ صاحب جسمانی طور پر مدینہ طیبہ کبھی نہیں پہنچے تو پھر یہی ظاہر ہوگا کہ وہ "حقیقت محمدی" والی منزل تھی، جہاں مدینہ ہی سالک کے لئے جائے قیام بن جاتا ہے اور روح کے ساتھ جسم بھی قرب حاصل کرلیتا ہے۔ یہ مقام اس قدر بلند ہے کہ یہ عاجز اس کے بیان کرنے سے نہ صرف عاجز ہے بلکہ اپنی تر دامنی اور سیاہ کاری کی وجہ سے اس کا اندازہ بھی نہیں کرسکتا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں "دوستان یک رنگ" بھی نظر سے ہٹ جاتے ہیں۔ اور دنیا کے سارے خاص و عام ہیچ نظر آتے ہیں:۔

دوستان یک دم و یک رنگ دنیا میں نہیں
اے کلیم اس رہ میں ہیں سارے خاص و عام ہیچ

اور یہ دراصل ایک تجلی کا ادنیٰ کرشمہ ہے :۔

اک تجلی سے کیا آپ نے ایسا بے ہوش
سارے عالم سے ہوا عاشق شیدا بے ہوش

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات اس مقام پر سالک کو اس اقرار پر آمادہ کرتی ہیں :۔

جب سے آئے حضور آنکھوں میں — ہے تجلائے طور آنکھوں میں
آپ ہی کا ہے نور آنکھوں میں — کچھ نہیں بے حضور آنکھوں میں
میں ہوں قربان اس تصور کے — پھر رہے ہیں حضور آنکھوں میں

اسی منزل پر پہنچ کر سالک انتہائی شوق اور شیفتگی میں یوں گویا ہوتا ہے :۔

علاج سوزِ دل تم ہو، دوائے دردِ جاں تم ہو
مریض جاں بلب میں ہوں، مسیحائے زماں تم ہو
تمہیں پر آنکھ پڑتی ہے، تمہارا ہی تصور ہے
نگاہوں میں عیاں تم ہو، مرے دل میں نہاں تم ہو
نہ چین آئے، نہ صبر آئے، نہ نیند آئے، نہ تسکیں ہو
رہے قابو میں دل کیوں کر جب آنکھوں سے نہاں تم ہو

پھر یہ شیفتگی بے قراری کی مترادف ہو جاتی ہے :۔

رُکھ ادھر ہی ہے تم ہیں جان تیرے واسطے — پہلو میں دل ہے برقِ تپاں تیرے واسطے

اسباق کے اجراء کے وقت قلب کا برقِ تپاں بن جانا ایک ایسی نعمت

ہے جس میں "بسط وکشاد" کی دولت کے علاوہ ایسی لذت حاصل ہو سکتی ہے جس کا اظہار ناممکن ہے۔ سالک آخر کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ

دل میں ہے جان جان میں میں اور مجھ میں تو
میں بن گیا ہوں سرِ نہاں تیرے واسطے

سالک "سرِ نہاں" اسی وقت ہے جب وہ ان تین منزلوں سے گزرے یعنی بقول مولانائے روم :۔ ع خام بُدم، پختہ شدم، سوختم
جب تک دل میں محض جان ہے۔ اس وقت تک خامی ہے پھر جان میں جب "عرف نفسہٗ" کا "میں" آگیا تو پختگی ہوئی۔ اور جب اس "میں" میں ..... "عرف ربہٗ" کا "تو" آگیا تو پھر کامل "سوختگی" نصیب ہوئی بقا اور فنا کی منازل بھی یہی ہیں۔ شاہ صاحب بالکل سادہ طریقے سے بیان فرماتے ہیں کہ :۔

اٹھا لے ہاتھ عمرِ بے بقا سے
فنا ہو پہلے تو اپنی فنا سے

اسی چیز کو دوسرے الفاظ میں "موتوا قبل ان تموتوا" بھی کہہ دیتے ہیں۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ :۔

سالکانِ راہِ الفت کی ترقی ہے فنا
عشق کی معراج یہ سمجھے ہوئے ہیں دار کو

عاشق اسی مقام پر صحیح معنیٰ میں وصل حاصل کرتا ہے۔

نہ وہ مجھ سے نہ میں اس سے جدا ہوں
حباب آسا میں دریا سے ملا ہوں

لیکن اس منزل تک پہنچنے کے لئے سالک کو جن مقامات گزرنا

پڑتا ہے۔ ان کی تفصیل کا اجمال یہ ہے۔ کہ نقشبندی سلوک میں پہ
سبق جو قلب سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے لئے مراقبہ اور تصور
ذریعہ ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ :-

حلیم اس کے دیدار کی جو ہے خواہش　　تصور میں نقشہ جما کر تو دیکھو

اور اس تصور کے لئے بھی ضروری چیز یہ ہے کہ نفس کو قابو
کیا جائے۔

پہلے اپنے نفس کو قابو میں لانا چاہیئے　　پھر تصور یار کا دل میں جمانا چاہیئے

پھر اس ربط کے بڑھانے میں بہت پاپڑ بیلنے پڑتے اور بے جگر ہو
پڑتا ہے :-

بڑھانا ربط کا تم سے ہر اک کا کام نہیں　　جو تم سے دل کو لگاتے وہ بے جگر

یہ ربط جب بڑھ جاتا ہے تو مختلف لطائف جاری ہو جاتے ہیں۔ ا
سالک اپنے ذکر خفی کی بدولت انوار و تجلیات سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

دل میں، جگر میں، آنکھوں میں، پہلو میں جان میں
اب کیا بتاؤں میں، تجھے دیکھا کہاں کہاں

آخر سلطان الاذکار کے سبق میں سالک ہر موئے تن سے ہر وقت
اپنے "دلبر" (دل کی رعایت سے) کا ذکر سنتا ہے :-

ہم اے حلیم تیرا جب جانیں عشق کامل　　دلبر کا نام تیرے ہر موئے تن سے نکلے

پھر نفی اثبات کا سبق آتا ہے اور سالک غیر اللہ کو دیکھتے ہوئے
بھی اس کی نفی کرتا ہے اور خود کو معاملہ میں پاتا ہے۔

کسے سچا سمجھیے، کس کو جھوٹا، عقل حیراں ہے
نفی اثبات کا ہو کس طرح سے امتحاں دل میں

مشاہدات کے اسباق میں "ان" صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا شرف جسے حاصل ہو جائے تو اس عنایت کا وہ شکر کیوں کر ادا کر سکے ہے؟:-

عنایت ہی عنایت ہے یہ مجھ پر دوستوں کی
وہ آجاتے ہیں میرے سامنے اب برملا کچھ کچھ

آگے چل کر مراقباتِ ولایتِ کبریٰ شروع ہوتے ہیں اور دائرۂ اولیٰ میں "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ" کی منزل آتی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:-

مجھے وہ صاف یہ فرما چکے ہیں کہ ہر دم تیری شہ رگ سے قریں ہیں

پھر دائرۂ ثانیہ میں یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ کی منزل آتی ہے اور ذاتِ حق کی محبت کا صحیح اندازہ اسی منزل میں ہوتا ہے:-

تو نہ بھولے گو ہم تجھے بھول جائیں ہم نے سرتاپا وفا دیکھا تجھے

اور آگے چل کر مراقبۂ اسم الظاہر اور مراقبۂ اسم الباطن آتا ہے۔ شاہ صاحب ان منزلوں کا بھی ذکر کرتے ہیں:-

بظاہر لاکھ تو مجھ سے نہاں ہے مگر باطن میں تو عین العیاں ہے

دائرۂ لاتعین آخری منزل ہے، جہاں سالک وصالِ حقیقی سے سرفراز ہوتا ہے۔

دل پاک ہوا جلوہ پا ہو نظر آیا   محبوب دل آرا مجھے ہر سو نظر آیا

ع   زمین و آسمان دل میں، مکان و لامکاں دل میں

ھوِیّت کے مقام کو بعض سالکین پہلے سبق سے ہی وصل کر لیتے ہیں۔

اس کا اشارہ بھی ایک شعر میں ہے کہ:۔

اپنے مرشد کے کیوں نہ ہوں قرباں   جس کی ہے یادگار "اللّٰہ ھُو"

اور حقیقت بھی ہے کہ ایسے ہی مرشد پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے

شاہ صاحبؒ نے سچ کہا ہے:۔

نگاہوں میں عیاں ہے صورتِ شیخ   مرے دل میں نہاں ہے الفتِ شیخ

کرا ے دل اتباعِ سنتِ شیخ   ہے لازم اتباعِ سیرتِ شیخ

شیخ کی تقلید دراصل اس لئے لازم آتی ہے کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ شیخ ہونے کا مستحق نہیں تصور یا توسطِ شیخ کی جو اہمیت ہے اس میں دراصل یہی راز پنہاں ہے۔ اور اسی لئے اتباع ضروری ہے۔ چنانچہ یہ بھی صحیح ہو جاتا ہے:۔

وصالِ حق اسے حاصل ہے ہر وقت   جسے حاصل ہے ہر دم صحبتِ شیخ

پھر فنا فی الشیخ کی جو منزل آتی ہے وہ بھی محض اطاعتِ خدا اور اطاعتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے ہے۔ ورنہ ایسے اشعار کا خدانخواستہ ظاہری مطلب مدنظر نہیں۔ یعنی:۔

خدا کو دیکھتے ہیں جیتے جی ہم   کہ رویت ہے خدا کی رویتِ شیخ

یہ کوئی حلول و بروز کا مسئلہ نہیں ہے۔ اس لئے اس شعر میں بھی اطاعت ملحوظ ہے۔

یہی مرشد، یہی احمد، یہی حق　　محیط کل ہوئی ہے وحدت شیخ

کچھ اور وضاحت یوں ہو جاتی ہے۔

رہو مصروف دل سے بندگی میں　　کہ طاعت ہے خدا کی طاعت شیخ

ان معنوی اوصاف کے علاوہ ادبیت کی صورت بھی شاہ صاحب کے دیوان میں ہر جگہ امتیازی نشان رکھتی ہے کچھ اچھے اشعار جن میں ظاہری اور معنوی خوبیاں بھی ہیں یوں آتے ہیں:-

خود ہی زلفوں کو بکھیرا ہے رخ انور پر　　آپ ہی آپ پریشان بنے بیٹھے ہیں

نمود و بود جو کچھ ہیں ہمیں ہیں　　کہیں ظاہر کہیں خلوت گزیں ہیں

پروانے کو نہ ہوتی جلنے کی شمع پر لو　　ہر بزم میں اگر تو جلوہ فگن نہ ہوتا

آپ کو میرا تماشا دیکھنا منظور ہے　　آپ آجاتے تو کیوں ہوتا بھلا دردِ فراق

اس طرح سے ظاہر ہوا تو دیدۂ جاں میں　　میں میں نہ رہا جب کہ تو ہی تو نظر آیا

ہوئے تیرے لئے جب بے نشاں ہم　　بنے اپنے لئے آرام جاں ہم

محو ہے جمال ہوں، کبھی محو جلال ہوں　　حیراں ہوں سجدہ گاہ بناؤں کہاں کہاں

وہ دل میں ہیں اور دل میں حقیقت میں نہیں
کیا خوب تماشا ہے کہ ہیں اور نہیں ہیں

جب تک میں بے نشاں نہ تھا اس کا نشاں نہ تھا　　میں بے پتا ہوا تو وہ اب بے پتا نہیں

لب بھی ہیں بند، زباں بھی ہے فغاں سے خاموش　　مجھ کو شرمندہ مگر دیدۂ تر کرتے ہیں

بہت سی غزلیں مسلسل ہیں اور مضامین کے ربط سے بڑی دلکش ہیں۔ ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہر جگہ جلوہ عیاں ہے آپ کا ۔۔۔ مجھ کو ہر شے پر گماں ہے آپ کا

دیر میں وہم و گماں ہے آپ کا ۔۔۔ اور نہ کعبے میں نشاں ہے آپ کا

ڈھونڈھنے والے کو ملتے ہیں کہاں ۔۔۔ کہیے تو کس جا نشاں ہے آپ کا

لامکاں تو بس فقط کہنے کو ہے ۔۔۔ قلب مومن ہاں مکاں ہے آپ کا

آپ کے وہ ناز وہ انداز ہیں ۔۔۔ شیفتہ سارا جہاں ہے آپ کا

ایک بڑی پرکیف غزل جو اپنی سادگی اور برجستگی میں بھی خصوصیت رکھتی ہے۔ یوں آتی ہے۔

خوب آتا ہے تجھے رنگ جمانا جانا ۔۔۔ جستجو میں تری پھرتا ہے زمانا جانا

ترک کیوں کر دیا فرمائیے آنا جانا ۔۔۔ آپ نے چھوڑ دیا دل سا ٹھکانا جانا

غش میں آجائیں گے موسیٰ کی طرح سے لاکھوں ۔۔۔ تم نہ بے پردہ کہیں جلوہ دکھانا جانا

دل بھی لو جان بھی لو سر بھی مرا حاضر ہے ۔۔۔ چھوڑ دو مجھ سے مگر منہ کا چھپانا جانا

جان پر کھیل گیا آہ تمہارا عاشق ۔۔۔ سہل ہے تم سے کوئی دل کا لگانا جانا

یہ غزل آخر تک اسی طرح پرکیف ہے اور اہل دل کے لیے عجیب سوغات ہے۔ غرض کہ اس دیوان کا مطالعہ ان تمام کمالات کو ظاہر کر دیتا ہے۔ جن سے شاہ صاحبؒ کو واسطہ رہا ہوگا۔ ع

ضبط ہی چاہیئے ہر حال میں عاشق کو حلیم

بشیر درانی کا تغزل[1]

اگر آج کل کے عام شعرا کی کردار نگاری کی جائے تو کچھ اس قسم کے خدوخال نظر آئیں گے کہ شاعر صاحب کے بال بکھرے ہوئے ہوں گے سیاہ شیروانی یا بش شرٹ کے اوپر کے بٹن عموماً کھلے ہوں گے۔ ام الخبائث تو ان کی صحبت میں ہمیشہ ہی سے دختِ زر بن چکی ہے اس لئے اضافہ یہ ہے کہ پان اور سگرٹ سے ان کے منھ کو فرصت نہ ہوگی۔ لاف و دروغ اور طنز و غیبت وغیرہ ان کے ہمہ وقت کے معمولات میں ہوں گے۔ مشاعرے والوں سے پیسے اینٹھنا بلکہ پیشگی وصول کر کے گھر بیٹھ رہنا بھی ایک خاص ادا ہوگی۔ اگر قدم رنجہ فرمائیں گے تو بات بات پر اکڑ دکھائیں گے۔ پھر بجتے ہوئے ساز کے ساتھ اپنا کلام سنائیں گے۔ اور اگر صنفِ نازک کا اجتماع بھی ہوگا۔ تو پھر ان کی ترچھی مانگ، پریشان بال اور مسکراہٹ بھی اپنے جوہر دکھانے لگے گی (ایسے شعرا آج کل عام ہیں) اور ان کی کوئی کمی نہیں۔ لیکن بشیر صاحب جیسے شعرا بہت کم نظر آتے ہیں جن کے یہاں تہذیب اور شرافت نفس ہر وقت پیش پیش اور بیشتر بیش بھی ہے۔

---

[1] بشیر صاحب کا مجموعۂ کلام اب نادرات کے نام سے شائع ہوا ہے۔ وہ اس میں بطور مقدمہ شامل ہے۔

اور یہی چیز ان کے کلام میں ہر جگہ موجود ہے ۔ ان کے جذبات اور احساسات بھی اسی کا جامہ پہنے ہوتے ہیں اور ان کی شاعری صرف ایسے ہی قیود کی مکلف ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ عام شعراء کی طرح مسلمان ہونے میں شرماتے نہیں بلکہ اپنے اسلام پر فخر کرتے ہیں ۔ بعض بڑی مرصع غزلوں میں مقطعے اس طرح کے آتے ہیں ۔

بشیرؔ خاک نشینِ درِ حبیب ہوں میں — یہاں فروغ نہیں زعمِ قیصری کے لئے
گریۂ یادِ محمد کا تصدق ہے بشیرؔ — میری آنکھوں میں بنے عرش کے تارے آنسو
مریضِ ہجر کو اب آرزوئے خاکِ طیبہ ہے — بشیرِؔ خستہ کو کیوں یاد فرمایا نہیں جاتا

بلند کردار جگرؔ مرحوم نے اپنے اس بلند کردار شاگرد کا ایک خاص واقعہ اس طرح لکھا ہے ۔ "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شاید ۴۰ء یا ۴۱ء ہیں بشیر خاں سے میرے تعلقات کافی بڑھ چکے تھے اور ان کی شاعری کے جگہ جگہ چرچے ہو چکے تھے ۔ اس وقت کچھ دوست نما دشمنوں نے بشیر خاں صاحب کو میرے مقابل صف آرا ہونے کے لئے مجبور کیا اور ٹکراؤ کے پروگرام مرتب کرنے لگے ، کہ بشیر خاں صاحب میرے پاس آئے اور مجھے اپنی مرضی اور مسلک کے خلاف ان کے بے حد اصرار پر ان کو اپنا شاگرد

---

[1] بشیر صاحب کا پہلا مجموعۂ غزلیات "جذب و گریز" کے نام سے موسوم تھا ۔ غالباً یہ ترکیب حضرت جگرؔ کے اس شعر سے لی گئی تھی :-

حسنِ مکمل، جذب و گریز — عشقِ مسلسل، ترک و طلب (آتشِ گل)

کرنا پڑا"۔ بشیر صاحب کا یہ کردار ہر جگہ نظر آتا ہے۔ اور غزل میں تو اس کی وجہ سے بڑی دل کشی پیدا ہو جاتی ہے۔ دیکھئے، کس خوبی سے فرماتے ہیں:۔

کرے تو مجھ سے سوا احترامِ ناز کوئی — وفا وفا ہے جفاؤں سے شرمسار ہوں میں
بجھائی تشنگیٔ دید اس قدر تو نے — کہ خود بھی اپنی نگاہوں کو ناگوار ہوں میں
خود گناہوں پہ شرما رہا ہوں — خطا کر رہا ہوں جزا پا رہا ہوں

یہ نگاہِ ناز جھکی جھکی، یہ شعورِ پرسشِ بے کسی
یہ سمجھ کے روح تڑپ اٹھی مرا حال آپ کا حال ہے

زمانہ میرے حال پر ہنس رہا ہے — اسے بھی تمہارا ہی احسان نہ کہہ دوں

اسی مضمون میں بڑا لطیف اضافہ ہے۔

اور آپ کو جرأت نہیں اٹھانے کی — بدل نہ جائیں کہیں سرخیاں فسانے کی

محبوب کے سامنے شکوۂ جفا سے بھی شرمسار ہوتے ہیں:۔

مری نظر نہ اٹھی شکوۂ جفا کر کے — تاثرِ نگاہِ شرمسار، کیا کہنا

اور یہی حجاب ان کے محبوب میں بھی ہے:۔

نگاہِ شوق کی مشکل تو آساں ہو گئی لیکن — تلافی سخت مشکل ہو گئی حسنِ پشیماں کی
گستاخیِ نگاہِ محبت کو کیا کہوں — دیکھ اے وفورِ شوق وہ شرما کے رہ گئے
وفورِ شوق سے مجبور ہو کر اٹھ گئیں نظریں — بشیر اب عالمِ حسنِ پشیماں کون دیکھے گا

بشیر صاحب کے یہاں حسن کی آخری حدیں عشق کی کائنات میں ضم ہو کر رہ جاتی ہیں۔

پہلے تو وہ اس طرح فرماتے ہیں کہ:۔

حسینوں کی تمنا جس قدر کم ہوتی جاتی ہے، محبت ہے کہ خود حسنِ مجسم ہوتی

ایک اور جگہ یوں آتا ہے:۔

یاد کرنا اسے توہینِ محبت ہے بشیر کیا اسے یاد کریں گے جو فرا

پھر اس معراجِ عشق کو اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

جہاں حسن بھی جا کے گم ہو گیا ہے وہاں عشق کو خود نما پا رہا ہوں

عشق کی اہمیت کو دوسری جگہ اس طرح پیش کرتے ہیں:۔

حقیقت سب ابھی کھل جائے گی قیدِ تعین کی اگر میں نے نگاہیں پھیر لیں آئینہ

اسی لئے وہ ہر آرزو اور ہر حقیقت کا منتہا عشق ہی کو سمجھتے

مجھی میں جذب ہو کر رہ گئی ہر آرزو میری نہ مقصد ہے، نہ کوشش ہے، نہ حاصل

عشق و حسن سے متعلق بشیر صاحب کے عام رجحانات یہی ہیں

انہی رجحانات کے تحت اس قسم کے اسالیب بھی نظر آتے ہیں جو

شاعر کے اعلیٰ مذاق کے شاہد ہیں:۔

کچھ ایسے لطف سے ان کی زباں پر میرا نام آیا

کہ اب اس لطف میں خود ہی لئے جاتا ہوں نام اپنا

مجھکو منظور ہے محرومِ تمنا ہونا آپ عنوان تو سن لیں مرے

حق بجانب رخِ سجدہ ہے جبیں سوئے بتاں

سمت بھولا ہوں مگر کعبہ فراموش نہیں

یہی مضمون کچھ اس طرح بھی دیکھئے:۔

بیاں انجام تاخیرِ نگاہِ لطف کیا ہے خوشی کے بعد بھی فطرت نہ بدلی

کچھ اور اچھے اشعار یوں آتے ہیں :-

ہائے مجبوریاں کہ سامنے ان کے — ہم خود اپنی ہنسی اڑاتے ہیں
ایک دنیا محوِ حیرت ہو گئی — تم جب آئے بزم خلوت ہو گئی
ہم جئے بھی یہاں تو خاک جئے — جیسے آندھی میں جل رہے ہوں دیے
جان دیدی جس نے تیرے نام پر — آج تک زندہ ہے تیرے نام سے

بنا کر زینتِ دل، لطفِ آغازِ محبت کو
اڑائی عمر بھر انجامِ الفت کی ہنسی میں نے

زندگی جب شرمسارِ زندگی ہونے لگی — مجھ کو ذکرِ موت سن سن کر خوشی ہونے لگی
ہر شخص چھیڑتا ہے مجھے ان کے نام سے — اہلِ خرد سمجھ نہ سکے عظمتِ جنوں
سر تو اٹھائیے کہ یہ ہنگامِ حشر ہے — دہرا رہے ہیں آپ مری داستاں کہاں

حضرتِ بشیر چونکہ شعرائے متاخرین یا ان کے متوسلین کی صحبتیں اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس لئے تکرارِ الفاظ یا الفاظ کے الٹ پھیر سے بھی اچھے اچھے مضامین پیدا کرتے ہیں۔ چند اشعار اس طرح آتے ہیں :-

زہے قسمت مآلِ جستجو بھی جستجو نکلا — جو پایا آپ کو، تو آپ کو پایا نہیں جانا
رازِ بے مائگیِ عشق بتاتا ہوں بشیر — لاکھ ساماں ہے مرا بے سرو ساماں ہونا

مجھے رنگِ نقوشِ دل بجائے دل پسند آیا
فریبِ پرتوِ منزل، سرِ منزل پسند آیا

تیرے نظارے سے کیا کم ہے نظارے کا خیال — ہوش آیا تو یہ سمجھا کہ مجھے ہوش نہیں

انہیں جو شک ہے تو بے شک نہ آئیں بالیں پر
اگرچہ غیر نہیں ہوں تو غیر حال ہوں میں

غزل ایسی صنفِ شاعری ہے کہ جس میں حسن و عشق کی کیفیوں
علاوہ اور کچھ کہنا مشکل ہوتا ہے۔ تاہم مقطع میں ضرور گنجائش ہوتی
کہ شاعر اپنے معاشرتی تجربات و حقائق کا ذکر بھی کر دے۔ چنانچہ
بشیر کے یہاں ایسے تجربات موجود ہیں۔ فرماتے ہیں :-

بشیر اپنی طبیعت کا رخ بدل نہ سکا — سنا کیا کہ زمانے میں انقلاب آ
دیکھتا ہوں بشیر اس کی کریمی پہ بھروسا — افتاد ہے زمانہ کوئی افتاد نہیں
میں نے دیکھا ہے یہی رسم زمانہ ہے بشیر — اینٹ پتھر سے نوازے گئے پھل دار
راحتیں جہدِ مسلسل سے عبارت ہیں بشیر — تجھ کو منزل پہ پہنچنا ہے تو دن رات

تیز کیا انھیں قدم پیری میں انساں کے بشیر
جان لیتا ہے کہ آپہنچا ہوں منزل کے قریب

بشیر مجھ سے مرا زمانہ نگاہ ایسی بدل رہا ہے
بزعم باطل، بہ عقلِ ناقص کہ جیسے میرا خدا نہیں ہے

بشیر عمر غلامی میں کٹ گئی لیکن — میرے دماغ میں ہے بوئے قیصری
جن کو یہ بارِ زمینِ ہند سمجھے ہیں بشیر — ان کو مختارِ زمینِ ہند ہو جانا بھی

صرف ان اشعار کے مطالعے سے بشیر صاحب کے ذاتی حالات، مختلف
رجحانات اور زندگی کے تجربات و مشاہدات کا ایک مختصر لیکن جامع خاکہ
تیار ہو سکتا ہے۔

کوئی غم ہے نہ خوشی خوشی کہ بشیر یہی زندگی، کبھی مشکلوں میں الجھ گئے کبھی مشکلوں

وفاشناسی[1]

بحمد اللہ راقم الحروف بڑا خوش نصیب ہے کہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں اپنے بچپن ہی سے اہل دین اور اہل دل بزرگوں کی شفقتوں سے نوازا گیا اور ان کی دعاؤں سے بہرہ ور ہوتا رہا۔ ان بزرگوں میں الحاج مولانا حفظ الرحمٰن صاحب وفا مدظلہ بھی ہیں۔ چنانچہ ان کی خدمت میں اب بھی جب حاضر ہوتا ہوں تو وہی بزرگانہ شفقتیں اور دعائیں شروع ہو جاتی ہیں، جو مخلص بزرگوں کا شیوہ ہوا کرتا ہے۔ خود وفا صاحب نے جن بزرگوں کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی ہے۔ ان کا پرتو ان کی صورت اور سیرت میں موجود ہے۔ اللہ پاک نے کیا ہستیاں ظاہر فرمائی ہوں گی۔ جن کی عکس ریزیاں اب بھی انوار و تجلیات کی مظہر ہیں اور جن کی ضیا پاشیاں کیسے کیسے دلوں کو منور کرتی ہیں۔ وفا صاحب کی طبیعت میں خلوص کی وجہ سے وجہ سے تیزی بھی ہے۔ اور اسی خلوص کی وجہ سے ایسی رقت بھی ہے جس پر سینکڑوں نفلی عبادتیں قربان ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت

---

[1] دیوانِ "نقشِ وفا" کا مقدمہ۔ کراچی ۱۹۵۵ء

اور محبت کس مسلمان کو نہیں لیکن وفا صاحب کچھ ایسی والہانہ شیفتگی سے
بہرہ مند ہیں کہ بڑے بڑے اہل دل حضرات کے یہاں بھی یہ خصوصیت کم نظر
آتی ہے۔ یہی شیفتگی اور وارفتگی دراصل ان کی شاعری کی اساس ہے۔
عروضیوں کو دو چار جگہ ناک بھوں چڑھانے کا موقع ہاتھ آسکتا ہے اور کہنہ
مشق اساتذہ فن حرف گیری کا شرف بھی حاصل کر سکتے ہیں لیکن وفا صاحب
کے یہاں یہی جواب ہوگا کہ :- ع

شعر می گویم بہ از قند و نبات

قبلہ حاجی صاحب کی شاعری عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی
رہین منت ہے اور یہی ان کا منتہا بھی ہے اور انشاء اللہ انتہا بھی اسی
سے ہے۔ اللہ اللہ کیسے کیسے بزرگوں کی صحبت میں یہ دولت حاصل ہوئی
ہوگی۔ اور "جادہ صد سالہ" کو کس طرح طے کیا ہوگا۔ وہ بے شک بجا طور پر
اس نعمت پر فخر کر سکتے ہیں۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ پر عمل کرتے ہوئے
وہ سچ کہتے ہیں کہ :-

مدتیں گزریں کہ طے راہِ وفا ہم کر چکے
سامنے نظروں کے لیکن حسنِ منظر آج ہے

اس حسنِ منظر کے لیے دل کے ٹکڑے کیوں نہ ہوں گے اور وہ ٹکڑے
چور چور کیونکر نہ ہوتے ہوں گے

ڈھونڈتا ہوں دل کے ٹکڑوں کو وفا ملتے نہیں
نشۂ حب نبی میں ہو رہے ہیں چور چور

اس نشہ نے چشم دید میں کیا کیفیت پیدا کر دی ہوگی ۔

آنکھ ہٹتی ہے نہ جی بھرتا ہے اسکی دید سے
دم بخود ہے کس قدر اس وقت قلب ناصبور

ایسی آنکھوں میں تو گنبدِ خضرا کا کچھ اور ہی رنگ نظر آیا ہوگا ۔

کہتے ہیں کہ فردوس سے لالا کے زمرد
جبریلؑ نے پلکوں سے بصد ناز کیا رنگ

اللہ رے نیرنگیٔ نقاشِ حقیقت
رحمت کی پھبن پڑتے ہی کچھ اور کھلا رنگ

اک لطف ہے سو لطف نظر آتے ہیں ہم تو
نظاروں کی بے تابی کا جب اور بڑھا رنگ

ہم رنگ کو کیا سمجھیں کہ ہم رنگ نہیں ہیں
پہچانتے ہیں اہل صفا اہل وفا رنگ

ایسے "اہل وفا" جب مدینہ طیبہ سے واپس ہوئے تو دل کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی ۔ دیکھئے اپنی لاچاری کا کیا خوب اظہار کیا ہے ۔ ؎

درِ مولا درِ محبوب سے غمخوار چلے
چارہ باقی نہ رہا کوئی تو لاچار چلے

دل گرفتہ بھی ہیں اور پاؤں شکستہ بھی ہیں
جس طرح جاتے ہیں سب عشق کے بیمار چلے

حاجی صاحب نے اس موقع پر اپنی بے بسی کے اظہار کے لئے یہ مصرع شاید بار بار دہرایا ہوگا کہ :- ع

چارہ باقی نہ رہا کوئی تو لاچار چلے

لیکن عشق کا بیمار یہ کیونکہ اظہار کر سکتا ہے کہ اس بیماری سے اس کے گناہ دھو دیئے گئے یا نہیں ؎

یہ خدا کو ہے خبر اس سے ہیں ناواقف ہم
جانے معصوم چلے ہیں کہ گنہگار چلے

تاہم ایسے بیمار کی روانگی سے دھوم ہو جاتی ہے ۔ کیونکہ وہ حب خدا اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اپنا مطلوب سمجھتا ہے ؎

دھوم سے جاتے ہیں ساقیِ ارم سے مل کر بادۂ حبِّ الٰہی کے جو مے خوار

اسلام میں حب الٰہی کا مدار حبِّ رسول پر ہے تو اس محبت

طوفان کا کیا ٹھکانا ہے

روک لے جذبہ طوفانِ محبت بڑھ کر مستِ مولا چلے میکش چلے سرشا

پھر بھی اپنے مولا سے عرض کیے بغیر نہیں رہا جاتا ہے

زندگی ہجر کی ہے شاق، شہنشاہ رسل ایسے جینے سے تو ہم اصل میں بیز

اسی لئے بڑی برجستگی سے کہا ہے

ہند میں رہ کے نہ پھر چین میسر ہوگا
یہیں بس جاتے وفاؔ آپ تو بیکار چلے

اہلِ عشق تو کچھ اسی قسم کے اشعار پسند کریں گے ۔ لیکن اساتذ

فن بھی ان اشعار کی داد دینے پر مجبور رہیں گے

زندگی ان کی ہے صحیح ان کا ہی طاعت انکی نفسِ امارہ کو اس راہ میں جو مارے

زور بیان کے علاوہ اس شعر میں مار، راہ اور امارہ کی رعایت

بھی خوب ہے ۔ ایک شعر یوں آتا ہے ۔ ہے

ہم سے خطائیں پے بہ پے آپ سے لطف دمبدم
واقعی بے وفا ہیں ہم، واقعی باوفا ہیں آپ

بے وفا اور باوفا میں تضاد کے علاوہ " باوفا " میں تخلص کی رعایت

بھی ہے اور وفا کی معیت کے متعلق اشارہ بھی ہے ۔ حمد اور نعت کے

تمام مضامین اس مقطع کے دوسرے مصرع میں آجاتے ہیں ۔

محمدؐ نے اسے سمجھا ہے وہ سمجھا محمدؐ کو
وفاؔ ہم تو ابھی تک صرف اتنی بات سمجھے ہیں

اپنے قرب اور اقربیت کے لئے خوب صورت نکالی ہے ۔

اے اہل ہوش و خرد ہی کچھ جو سمجھ سکیں تو سمجھ سکیں
ہے عجم سے حدِ عرب ملی مری داستاں کا یہ طول ہے

بہر حال قبلہ وفاؔ صاحب کی شاعری اور عقیدت اس مصرع کی مترادف ہے کہ ع

انہیں کے نام لیوا ہیں انہیں کے نام کی رٹ ہے

کاش ایسے نام لیوا کے طفیل میں راقم الحروف کا بھی بیڑا پار لگ جائے!

مقدمہ

جامع القواعد (حصّہ نحو)

نحو عربی لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی طریق، راہ، قصد، ارادہ اور اسلوب کے ہیں۔ مگر اصلاحی معنی اور ہیں۔ متاخرین نحاۃ عرب کے نزدیک یہ اس علم کا نام ہے جس سے کلام عرب کے اعراب معلوم ہوتے ہیں۔ مولانا شبلی نے اس تعریف پر اعتراض کیا ہے۔ اور بہتر تعریف پیش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ "نحو کی تعریف متاخرین نے یہ کی ہے علم باصول یعرف بہا احوال اواخر الکلم۔ لیکن اگر نحو کی یہی حقیقت ہے تو جن زبانوں میں اعراب نہیں ہے۔ ان کے لئے نحو کا فن بالکل بے کار ہوگا کیوں کہ اس تعریف کی رو سے نحو کا یہ مقصد ہے۔ کہ الفاظ کا اعراب معلوم کیا جائے۔ اس لئے جن زبانوں میں سرے سے اعراب نہیں۔ مثلاً موجودہ فارسی یا اہل زبان کی عربی جس میں تمام الفاظ ساکن الاواخر ہوتے ہیں اور عوامل کے آنے سے ان میں کوئی تغیر نہیں پیدا ہوتا۔ وہ نحو کے دائرے سے باہر ہوں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر زبان میں ادائے مطلب کے

لئے الفاظ کی ترتیب کا خاص طریقہ ہے۔ یہ طریقے بعض مشترک ہوتے ہیں بعض اور کسی دوسری زبان میں بھی پائے جاتے ہیں اور بعض غیر مشترک جو خاص ایک ہی زبان کے ساتھ مخصوص ہیں۔ انہی طریقوں کے جزئیات کا نام نحو ہے اور نحو کی تدوین کے یہ معنی ہیں کہ ان تمام جزئیات کا استقصاء کر کے ان کو کلیات کے تحت میں لایا جائے۔ علامہ ابن خلدون نے نحو کی تعریف ان جامع الفاظ میں کی ہے۔ یہ یتبین اصول المقاصد بالدلالت۔ اس تعریف سے ثابت ہوا کہ نحو کا اصلی مقصد ادائے معانی سے متعلق ہے۔ یعنی جب ہم ایک مطلب ادا کرنا چاہیں تو ہمیں فاعل، مفعول متعلقات فعل وغیرہ کو کس ترتیب سے لانا چاہیے" گویا نحو کا اصلی تعلق الفاظ کی ترتیب اور تقدیم و تاخیر سے ہے۔

اردو کے قواعد نویسوں میں صاحبِ احسن القواعد نے نحو کی تعریف یوں کی ہے۔ "جن قواعد سے ترکیب مفردات کی حقیقت معلوم ہو اسے نحو کہتے ہیں۔ غرض اس سے یہ ہے کہ ترکیبِ کلمات میں خطا واقع نہ ہو اور مطلب عبارت بسہولت سمجھ لیا جاوے اور اس کا (نحو کا) موضوع کلام ہے۔"

اور صاحبِ جامع القوانین کے نزدیک "علم نحو وہ علم ہے جس سے ترکیبِ کلمات یعنی مفردوں کو ملا کر کلام بنانا آجاوے اور اس کا کوئی کلمہ کس طرح کا ہے۔ فاعل یا مفعول یا مبتدا یا خبر وغیرہ معلوم ہو جاوے اور غرض اس علم سے یہ ہے کہ کلام کے معنی درستی سے سمجھ لئے جاویں کہ

کہ متکلم ترکیب کلمات میں خطا نہ کرے یعنی جس موقع اور محل پر جو کلمہ رکھنا چاہیئے اسی جگہ رکھے تاکہ سامع اس کے سمجھنے میں کسی طرح کا تردد اور انتظار باقی نہ رہے اور موضوع علم نحو کا کلام (جملہ) ہے"۔

ان تعریفات کی رو سے مرکبات یا مشتقات کی جداگانہ حیثیت واضح نہیں ہوتی اور عملاً بھی ان قواعد نویسوں نے مرکبات کو نحو ہی کے تحت شامل کیا ہے۔ حالاں کہ ان کی حیثیت جداگانہ ہے۔

مولوی عبدالحق کی قواعد کے حصہ نحو کی ترتیب دو حصوں پر مشتمل ہے؛ نحو تفصیلی اور نحو ترکیبی۔ ان کے نزدیک نحو کا علم جملے کے اجزا کے مختلف استعمالات اور تغیرات سے اور جملے میں اجزائے کلام کے باہمی تعلق اور جملے کی ساخت سے بحث کرتا ہے۔

مستشرقین اردو قواعد نویسی کی طرف اہل زبان سے پہلے متوجہ ہوئے تھے۔ اور ان میں سے بعض نے اپنے اپنے طور پر نحو کے حصے کی عمدہ ترتیبات قائم کیں۔ گل کرسٹ کے رسالے قواعد زبان اردو کو مستشرقین کی بہت سی کتب قواعد اردو پر تقدم حاصل ہے۔ مگر اس میں صرف و نحو کے مباحث جدا جدا نہیں۔ سیکسپیئر نے اپنی گرامر کے حصۂ نحو میں سب سے پہلے جملے میں الفاظ کی ترتیب سے بحث کی ہے۔ پھر اسم سے متعلق نحوی مباحث آتے ہیں اس کے بعد حروفِ جار، صفت، ضمیر، فعل، ظرف، عطف، ہم معنی و ہم آواز الفاظ پر مبنی مرکبات اور وقتی مراتب ظاہر کرنے والے الفاظ کے نحوی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

پامر کی قواعد میں ہندستانی (اردو) زبان کی نحو سے متعلق حصہ
اگرچہ مختصر ہے۔ لیکن اس لحاظ سے کہ اس میں تقابلی نحو کا انداز پایا جاتا ہے۔
لائق دید ہے پامر نے اولاً جملے کی وحدت خیال پر زور دیا ہے پھر اجزائے جملہ
کی اس فطری ترتیب پر جس کے مطابق خیال کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس
کے بعد اسم کی مختلف حالتوں کو زیر بحث لاکر انگریزی اور ہندستانی
(اردو) کا نحوی تقابل پیش کرتا ہے علامت فاعل اور علامت
مفعول کی نحوی تشریحات کے ذیل میں وہ سنسکرت، ہندستانی اور انگریزی
تینوں زبانوں کا تقابل پیش کرتا ہے۔ اس کے خیال میں محاورے اور اسم و
فعل کے تعلق کے باب میں اردو کو انگریزی پر ایک لحاظ سے فوقیت ہے۔
غرض کہ تقابلی نحو کے بعض عناصر کی وجہ سے پامر کی قواعد کا حصۂ نحو دلچسپ
ہے۔ اس کے بعد پامر نے فعل کے بعض نحوی پہلوؤں کی طرف اشارے کئے ہیں
آخر میں اضافی حالت اور جملے میں ترتیب اجزا کی طرف اشارات ہیں۔

سیل کی جامع القوانین اگرچہ ایک پادری کے قلم سے ہے مگر مستشرق قواعد
نویسوں کے عام طریقے کے برعکس اس نے یہ کتاب اردو زبان ہی میں لکھی ہے۔ اور اردو کتب قواعد کے طریقے
پر اس کے مباحث کو ترتیب دیا ہے مگر اس میں کچھ اس کا اپنا انداز بھی ہے۔ حصۂ نحو میں اول مرکب ناقصہ سے
بحث ہے پھر جملے کی اقسام (اسمیہ و فعلیہ، خبریہ و انشائیہ) سے جملہ فعلیہ کے ذیل میں فاعل و مفعول کی
پہچان اور نائب فاعل کا بھی بیان ہے۔ پھر مفعول اور متعلقات مفعول فعل اور متعلقات
فعل اور توابع کا بیان ہے۔ اس کے بعد صفت اور ترکیب کے اعتبار سے جملوں کی قسمیں بیان
کی ہیں۔ آخر میں ان اسموں کا بیان ہے جو دوسرے اسم سے مل کر ہی جملے کا جزو ہو سکتے ہیں۔

پلیٹس (PRITS) نے حصہ نحو کی ترتیب یہ رکھی کہ اول جملہ
اجزا، ترتیب الفاظ اور مسند و مسندالیہ کی مطابقت سے بحث ہے
صفت، ضمیر، فعل، متعلقاتِ فعل اور حروف کے نحوی پہلوؤں کی
تشریحات ہیں۔

گیلاگ (Kellog) کی قواعد ہندی زبان سے متعلق ہے مگر
حصہ نحو کی ترتیب اردو قواعد نویسوں کے لئے بھی ایک نمونہ فراہم کرتی ہے۔
کیلاگ نے حصہ نحو کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) Analytic syntax (نحو تفصیلی)۔

(۲) Synthetic syntax (نحو ترکیبی)۔

پہلے حصے میں اسم، صفت، عدد، ضمائر، فعل، ظرف، حروف اور
تکرار الفاظ کے نحوی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے حصے میں
سادہ جملے کی نحو ترکیبی، اجزائے جملہ اور اقسام جملہ سے بحث ہے۔
اسی سلسلے کی ایک اور ہندی قواعد کی کتاب ایڈون گریوز (Edwin
Greeves) کی "ہندی گرامر" ہے۔ اس کے حصہ نحو کی ترتیب یہ ہے
اول اسم کی فعل سے مطابقت سے بحث ہے۔ پھر حالتوں کے نحوی پہلو پر
روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور آخر میں جملے میں الفاظ کی ترتیب اور تکرار الفاظ
سے بحث کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور باب کے آخری حصے میں ضمناً
فعل کے نحوی پہلو پر بھی بحث آگئی ہے۔ یہ ترتیب اس مستشرق نے زبان
کے مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے قائم نہیں کی بلکہ انگریزی دانوں کی سہولت

کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور اس لئے ترتیب نامکمل ہے۔ اس قواعد نویس نے
اپنی قواعد کے بیشتر حصے میں نحوی مباحث کو جداگانہ حیثیت دیے بغیر،
صرف کے مباحث کے ساتھ ملا دیا ہے۔ صرف ایک باب ایسا ہے جس میں
تمام تر نحوی مباحث ہیں مگر وہ باب جملہ نحوی مباحث کا احاطہ نہیں کرتا۔
کچھ یہی صورت گل کرسٹ کی قواعد زبان اردو کی بھی ہے۔ بلکہ اس میں
تو نحو کو جداگانہ حیثیت سرے سے دی ہی نہیں گئی۔

ہمارے قواعد نویسوں کے لئے فارسی قواعد کی بعض کتب کی
نحوی ترتیبات بھی بطور نمونہ سامنے رہی ہیں اور ان کا ذکر بھی یہاں غیر ضروری
نہ ہوگا۔ پلیٹیس (Platts) نے فارسی زبان کی قواعد بھی لکھنی شروع کی تھی مگر
صرف حصۂ صرف تک لکھ سکا۔ بعد کو اس کا حصۂ نحو رینا کنگ - (Ranking)
نے لکھا۔ اس کی ترتیب قابلِ ذکر ہے۔ حصۂ نحو کے تمہیدی حصہ میں
وہ پہلے مسند الیہ اور مسند، مفرد اور مرکب جملے اور عطف سے بحث
کرتا ہے۔ پھر جملے کی بناوٹ کو زیر بحث لاتا ہے۔ اس ذیل میں فاعل
مفعول، مفعول قائم مقام فاعل اور اقسام جملہ وغیرہ کی بحثیں آجاتی ہیں
نحو کے اس حصے کو اس نے جملے کی ساخت (Sentens Constru-
etion) کا عنوان دیا ہے۔ اس کے بعد دوسرے حصے میں ہیئتوں کے معنی
(Meanings of Forms) کے عنوان کے تحت حالتوں، زمانوں اور حرف
جار وغیرہ سے بحث کرتا ہے۔ یہ تقسیم نحو ترکیبی اور نحو تفصیلی کا بدل ہے
اسی طرح Philot کی فارسی قواعد کے حصۂ نحو کی ترتیب بھی ذکر کے قابل ہے،

وہ اول اضافت کے استعمال اور حذف اور اسم واحد جمع سے بحث کرتے پھر ضمیر، صفت، ظرف، حروف جار اور زمانوں کے نحوی پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس کے بعد مرکب جملے کی بحث آتی ہے۔ آخر میں فعل و فاعل کی مطابقت، صفت اور اسم وضمیر کی مطابقت، جملے میں ترتیب الفاظ اور تکرار الفاظ سے بحث کرتا ہے۔

فارسی زبان کی ایک اور قواعد، قواعد حامدی جس کے لکھنے والے اردو کے مشہور مصنف اور عالم نجم الغنی خاں رام پوری ہیں۔ حصہ نحو کی ترتیب کا ایک ممتاز خاکہ پیش کرتی ہے۔ ہر زبان میں نحو کا حصہ اپنے مباحث کی طوالت یا تفصیل کے اعتبار سے صرف کے حصے کا ثلث یا نصف ہی رہا ہے۔ مگر نجم الغنی خاں رام پوری نے نحوی مباحث کو وہ غیر معمولی وسعت دی ہے کہ شاید و باید اور نحو کو تقریباً دوچند کر دیا ہے۔ جو قواعد نویسی میں ایک مثال ہے۔ کاش وہ اردو قواعد نویسی کی طرف بھی ویسی ہی توجہ کرتے تو اردو نحو کی ترقی میں ایک نمایاں قدم ہوتا۔

ہمارے دور اول کے اہل زبان قواعد نویسوں میں انشا فضیلتِ تقدم اور دقتِ نظر کے لحاظ سے سرفہرست ہیں۔ انشا نے دریائے لطافت کے جزیرہ دوم کو مباحثِ نحو کے لئے مختص کیا ہے۔ وہ اس حصہ نحو کو چار ذیلی حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ انہوں نے ذیلی حصے کو شہر سے موسوم کیا ہے۔ شہر اول، اسم کے نحوی مباحث کے لئے ہے۔ شہر دوم میں فعل اور شہر سوم میں حروف کے نحوی مباحث آگئے ہیں۔ شہر چہارم میں "در بیان فوائد

کے عنوان کے تحت دو خاص مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس ذیل میں پہلے ان عربی فارسی سہ حرفی الفاظ کو لیا ہے۔ جو اصلاً ساکن الاوسط ہیں مگر اردو روزمرہ میں انہیں متحرک الاوسط کر کے ادا کیا جاتا ہے یا جو بتانے کے لئے یا حالت ترخیم میں حروف وسطی کو ساکن کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا نکتہ محذوفات و مقدرات سے متعلق ہے۔

گزشتہ صدی کی کتب میں دستور الفصاحت کے حصۂ نحو کی ترتیب بھی جیسا کہ مطبوعہ نسخے کے مقدمۂ مرتب، میں اس کے مباحث کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے، قابل توجہ ہے۔ تمہید میں علم نحو کی تعریف ترتیب فاعل و مفعول اور علامات فاعل و مفعول سے بحث ہے پھر حال و ذوالحال، شرط و جزا، مرکب غیر تام اور اس کے اقسام، مرکب اضافی، مرکب اعدادی، حروف ندا، تمیز، عطف، تاکید و موکّد، صلہ و موصول، اسم فاعل، صفت مشبہ، مستثنیٰ اور قسم، الفاظ کنایہ، معرفہ، اسم و فعل و حرف، ضمائر اور حروف سے متعلق بحثیں ہیں۔ دستور کا یہ اہم حصہ اب تک شائع نہیں ہوا ہے۔ اور یہ متعین کرنا مشکل ہے کہ اس نے اردو قواعد نویسی کے ارتقا میں اپنا حصہ کہاں تک ادا کیا۔

بعد کے دور کے قواعد نویسوں میں فتح محمد خان جالندھری ہیں۔ جن کی مصباح القواعد ہے۔ یہ عربی قواعد کے طریقے پر ہے۔ اس کے حصۂ نحو کی ترتیب جامع القوانین کی ترتیب سے کچھ ملتی جلتی ہے کہ دونوں قدیم نظام پر مبنی ہیں۔ البتہ جامع القوانین میں مرکبات ناقص کو تفصیر

بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ حصۂ نحو کا آغاز اسی بیان سے کیا ہے۔ مصباح القواعد میں اول جملوں کی قسموں، خبریہ و انشائیہ، فعلیہ و اسمیہ سے بحث۔ اسمیہ کے ذیل میں افعال ناقصہ اور فعلیہ کے ذیل میں مفعول قائم مقام فاعل، مفعول بہ، ضمائر کی مفعولیت، مفعول منہ، مفعول لہ، مفعول مطلق، ظرف، جار و مجرور، حال، مستثنیٰ و مستثنیٰ منہ وغیرہ کی بحثیں ہیں۔ پھر اقسام جملہ اور آخر میں حروف کا بیان ہے۔

ان کے بعد کے قواعد نویسوں نے، بالخصوص صاحب آئینِ اردو نے مصباح القواعد کے بہت سے تسامحات کی نشاندہی کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اردو قواعد نویسی میں یہ بعض کمزوریوں کے باوجود اپنے طرز کی ممتاز ترین قواعد ہے۔ عربی قواعد کے طرز پر جتنی اردو قواعد کی کتابیں لکھی گئیں ان میں سب سے عمدہ اور مبسوط یہی ہے۔ اور بحیثیت مجموعی محنت سے لکھی گئی ہے۔

مولوی عبد الحق نے اپنی قواعد اردو میں ایک اور طرز اختیار کیا جس کو ان سے پہلے اردو کے کسی اہل زبان قواعد نویس نے اختیار نہیں کیا تھا۔ انہوں نے مصباح القواعد سے بالکل جدا راہ اختیار کی اور عربی اصول پر قواعد کو مرتب نہیں کیا۔ ان کی قواعد اردو بڑی حد تک مستشرق قواعد نویسوں کے اصول پر لکھی گئی ہے۔ مگر چونکہ وہ اردو کے بہترین مزاج شناس ہیں۔ اس لئے انہوں نے جدید مغربی اصول قواعد نویسی سے استفادہ کے ساتھ اردو کی انفرادیت کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ جہاں تک

ترتیب مباحث کا تعلق ہے۔ ان کی قواعد میں حصۂ نحو کیلاگ کی ہندی گرامر کے حصۂ نحو سے بہت کچھ مستفاد و مماثل ہے۔ مگر اہم نحوی مسائل پر دسترس اور اصابت رائے کے لحاظ سے مولوی صاحب بہت آگے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ 'قواعد اردو' مولوی صاحب کا ایک بڑا کارنامہ ہے اور اس معیار کی کتابیں دوسری آریائی زبانوں میں بھی مشکل سے ملیں گی۔ کیونکہ وہ زبان کے مزاج کو خوب پہچانتے تھے۔ اس کے باوجود یہ نہیں کہ یہ کتاب تسامحات سے خالی ہو۔ صاحب آئین اردو نے مصباح القواعد کی طرح قواعد کو بھی بخشا نہیں ہے اور بڑی دقت نظر کے ساتھ مولوی صاحب کی متعدد لغزشوں کی نشاندہی کی ہے۔ ان میں بعض تو طرز نظر میں جدت و قدامت کے فرق کی وجہ سے لغزش معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن بعض مسائل میں صاحب آئین اردو کی گرفت درست ہے۔ مولوی عبدالحق کی طرح وہ بھی اردو زبان کی انفرادیت اور اس کے مزاج کو بخوبی سمجھتے ہیں اور اس لحاظ سے مولوی عبدالحق کی قواعد اردو کے بعد منصۂ شہود پر آنے والی کتب قواعد میں آئین اردو بہت نمایاں ہے۔ جہاں تک اس کے (آئین اردو کے) حصۂ نحو کی ترتیب کا سوال ہے۔ قدیم انداز کی ہے۔

اردو کتب قواعد میں قواعد کشوری اور اساس اردو بھی قابل ذکر ہیں۔ جہاں تک حصۂ نحو کا تعلق ہے۔ ان کتب میں اگر نحوی مباحث کی ترتیب ایک بڑی حد تک محض تقلیدی انداز کی ہے۔ تاہم بعض مباحث

میں جدت بھی ہے ۔ مثلاً قواعد کشوری میں جملوں کی اقسام کی درجہ
بندی ۔ (۱) باعتبار فعل ۔ (۲) باعتبار حالت فعل، اور (۳) باعت
صفحات کی گئی ہے ۔ اساس اردو میں مرکبات اور جملوں کی قسموں کی
بحثیں تو وہی قدیم انداز کی ہیں ۔ جیسی مصباح القواعد میں اگرچہ جدید
انداز کی کچھ بحثیں بھی ہیں مثلاً محذوفات، مطابقتیں، جملہ میں الفا
کی ترتیب ۔ یہ مولوی عبدالحق کی قواعد اردو کے اثر سے ہے ۔

مولانا شبلی نے فن نحو کی تدوین جدید کے متعلق جو فکر انگیز اور
مجتہدانہ شان رکھنے والی تجاویز الندوہ میں پیش کی تھیں اگرچہ وہ
بنیادی طور سے عربی نحو سے متعلق تھیں لیکن اردو نحو کی تدوین کے سلسلے
میں بھی ان کے فکر انگیز اور کارآمد ہونے میں شبہ نہیں اور ہمارے
قواعد نویسوں کو ایک حد تک ان تجاویز نے متاثر بھی کیا ۔ افعال ناقصہ کے
باب میں صاحب آئین اردو پر مولانا شبلی کی تجاویز کا اثر نمایاں ہے
نحو کی ترتیب کے بارے میں مولانا شبلی کا یہ خیال ہے کہ "نحو کا اصلی تعلق
الفاظ کی ترتیب اور تقدیم و تاخیر سے ہے تو نحو کی ترتیب یہ ہونی چاہئے
کہ کلام کے جو اجزا سب سے مقدم ہیں ۔ ان کا حال پہلے بیان کیا جائے
پھر ان سے کم درجے کے اجزا کا حال، پھر ان سے کم کا ۔ اسی لحاظ سے
پہلے مسند الیہ کا حال بیان کرنا چاہیئے پھر مسند کا پھر متعلقات کا ۔ پھر
توابع کا ۔" دوسری تجویز وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ کلمات کے بہت سے
اقسام اور اصطلاحات جو بے فائدہ ہیں انہیں ترک کر دینا چاہئے

ان کے نزدیک مفعول مالم یسم فاعلہٗ یا مفعول قائم فاعل کی اصطلاح (جسے اردو نحو میں صاحب مصباح القواعد نے رواج دیا) غیر ضروری ہے۔ یہ کوئی الگ چیز نہیں بلکہ فعل مجہول کے فاعل کا نام ہے۔ فاعل کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس سے فعل کا ارتکاب ہوا ہو۔ بلکہ اصطلاح نحوی میں فاعل کے لئے صرف اسی قدر کافی ہے۔ کہ وہ فعل یا شبہ فعل کا مسند الیہ ہو۔

ان کی تیسری تجویز افعال ناقصہ کے بارے میں ہے وہ کہتے ہیں کہ افعال ناقصہ کو تمام افعال سے جداگانہ قرار دینا اور اس کے معمول کے لئے بالکل ایک نئی اصطلاح اسم وخبر کے نام سے قائم کرنا محض لغو ہے۔ یہ غلطی اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ افعالِ ناقصہ کو فعل لازم سمجھا ہے، حالانکہ وہ درحقیقت متعدی ہیں۔ کیونکہ ان کا مفہوم تنہا فاعل سے سمجھ میں نہیں آتا۔ ان کے نزدیک افعال ناقصہ کے اسم وخبر درحقیقت فاعل اور مفعول ہیں۔ اسی طرح وہ افعال مقاربت اور افعال مدح وذم کی جداگانہ اصطلاحات کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اردو نویسوں میں انشا نے ان جداگانہ اصطلاحات کو دریائے لطافت کے حصہ نحو میں داخل کیا ہے مگر بعد کے قواعد نویسوں نے اس باب میں انشا کی پیروی نہیں کی۔

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے بھی کیفیہ میں اردو نحو سے متعلق بعض خیال انگیز تجاویز پیش کی ہیں۔ وہ نحو کی تدوین میں اسلوب کی اہمیت سے صرف نظر کرنے پر زور دیتے ہیں۔ جو قدیم علمائے فن کے ہاں علم معانی کی ایک چیز ہے اور قواعد نحو کو اسلوب کے تابع قرار دیتے ہیں۔

ان کے نزدیک قاعدے جو اسلوب کے نفسیاتی اصول اور رموز سے
سرکشی کریں کلام کو فصیح نہیں بنا سکتے۔ قواعد زبان سے بنتے ہیں
قواعد سے نہیں۔ قواعد یا فن کے اصول وہیں تک قابلِ قبول ہیں جہاں
وہ زبان کی نمائندگی کے مزاحم نہ ہوں اور ترمیم اور آئندہ ترقی
راستے میں حائل نہ ہوں۔ نحو کے قواعد میں اتنی لچک ہونی چاہیے کہ و
اسلوب پر صاد کریں۔ اگر وہ قواعد یہ استعداد نہیں رکھتے تو ترمیم
قابل ہیں۔ ہمارے خیال میں پنڈت کیفی کی یہ تجویز قابلِ غور ہے۔ نحو کا
جملے کے اجزا کے مختلف استعمالات سے بحث کرنا ہے۔ بعض الفاظ جملو
میں آکر تصریفی قواعد کے برخلاف معنیٰ دیتے جاتے ہیں۔ نحو، ان اختلافا
سے بحث کرتی ہے۔ اسی طرح بعض فقرے اور مرکبات جملوں میں آکر مختلف
معنیٰ دیتے ہیں۔ ان کی بحث بھی نحو میں شامل ہونی چاہیئے مراد یہ کہ نحو
کو ایک حد تک اسلوب سے بھی بحث کرنا چاہیئے اور نحو میں معانی کے
بعض ضروری نکات کو داخل کرنا چاہیئے اور ایک حد تک ایسا کیا بھی گیا
حروف کے اغراض استعمالات کی بحث جو در حقیقت علم معانی سے تعلق
رکھتی ہے۔ اور جس کو ذوالفقار علی دیوبندی اور نجم الغنی خاں رام پوری نے
اپنی اپنی کتب بلاغت میں بڑی عمدگی سے لکھا ہے۔ مولوی عبدالحق اور فتح محمد
خاں جالندھری نے نحو میں شامل کر لیا ہے۔ بلکہ بعض فاضلوں نے تو صرف میں
بھی معانی کی یہ بحث چھیڑ دی ہے۔ بہرکیف، اس باب میں قواعد نویسوں
کو کچھ آزادی ملنی چاہیئے۔

اسی طرح نحو اور منطق کے تعلق پر غور کرنے سے نحو کی ترتیب میں نئے رجحانات کی نشان دہی کی جاسکتی ہے۔ کلام باجملہ نحویوں اور منطقیوں دونوں کا موضوع رہا ہے۔ اگرچہ ان علوم کی اصطلاحات جدا ہیں جس کو نحوی کلمہ اور کلام کہتے ہیں منطقیوں کے ہاں وہ تصدیق اور تصور ہیں اور ٹیس پرسن نے جو قواعد نویسی کے جدید ترین رجحانات کا سب سے نمایاں علم بردار ہے۔ قواعد کے نظام میں منطق کے استعمال کی اہمیت پر خاصا زور دیا ہے۔ بعض مغربی منطقیین نے نحو کے منطقی پہلو کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ چنانچہ (Rudorf carnap) کی کتاب (The Logical Syntax Of Language) اسی نوعیت کی کوشش ہے۔ اگرچہ اس کا میدان کار جدا ہے۔ مگر نحویوں کو اس سے بعض نئے خیالات مل سکتے ہیں اس کتاب کے مصنف نے نحو کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) نحو خصوصی (Spacial Syntax) اور (۲) نحو عمومی (General Syntax)۔ نحو خصوصی اس کی مراد وہ خاص نحوی اصول و قواعد ہیں جو خاص اسی زبان سے متعلق ہیں۔ اور اپنی ہم خاندان زبانوں میں اس کی انفرادیت کو نمایاں کرتے ہیں۔ نحو عمومی کے تحت وہ عام نحوی قواعد آتے ہیں۔ جو اور دوسری سب زبانوں یا خاندان کی دوسری زبانوں سے بھی متعلق ہیں۔ نحو جملے کی تفصیلی یا ترکیبی نوعیت سے بحث کرتی ہے۔ (carnap) جو منطقی ہے۔ منطق کے زیر اثر جملے کی ایک اور نوعیت سے (contradictory) کو بھی زیر بحث لاتا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ

یسپرسن نے (Negation) کی بحث میں منطق سے فائدہ اٹھایا ہے - اور (Contradictory) کو (Contrary) سے ممیز کرنے کے لئے منطقی فرق ہی کی نشان دہی کی ہے - بہرکیف، نحو کا میدان نئے تجربات کا طالب ہے اور جسے واقعی جامع نحو کہیں وہ ہنوز تشنۂ تکمیل ہے -

تقابلی مطالعے کو نحو میں کتنی جگہ ملنی چاہیے، یہ بھی غور طلب ہے - مولوی عبدالحق اردو کے پہلے اہل زبان قواعد نویس ہیں - جنھوں نے تقابلی نحو کے بعض بعض نکات کو اپنے حصۂ نحو میں جگہ دی ہے - ابھی تقابلی مطالعے کو اردو نحو میں زیادہ اور مناسب جگہ ملنی اب بھی باقی ہے - تقابلی نحو کی ترتیب نو پر مغرب کے نحویوں نے فکر انگیز خیالات پیش کیے ہیں یسپرسن نے جملے کی ہیئت کو نقطۂ آغاز بنانے کے بجائے معنی کو نقطۂ آغاز بنا کر ہیئت پر پہنچنے پر زور دیا ہے - دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں - کہ اب تک سامع کو نحوی نظام میں بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے - جس کو پہلے جملے کی ہیئت سے سابقہ پیش آتا ہے - پھر وہ اس معنی یا خیال تک پہنچتا ہے - جو قائل یا متکلم سامع تک پہنچانا چاہتا ہے - جبکہ قائل یا متکلم کا معاملہ اس کے برعکس ہے - اس کے ہاں پہلے معنی یا خیال ہے پھر وہ مناسب الفاظ اور اسلوب کے عمل سے گزر کر ہیئت تک پہنچتا ہے، اوٹو یسپرسن اس فرق کو یوں ظاہر کرتا ہے -:

Speaker : Notion → Function → Form

Hearer : Form → Function → Notion

نحو کی تدوین نو میں یہ انداز جدید بھی ہے اور زیادہ بہتر اور فطری بھی۔ جملے کی ساخت اور اقسام پر غور کرتے وقت فاعل کے مقصد کو اہمیت دینا ضروری ہے۔

روسی مصنفہ سونیا چرنیکو وا نے "اردو کے صیغے" لکھ کر اردو نحو میں بعض جدید ترین رجحانات کو پیش کیا ہے۔ اوٹو یسپرسن نے زمانے کے نحوی مطالعے کے سلسلے میں جو خیال انگیز اور غور طلب تجاویز پیش کی تھیں۔ انہیں اس مصنفہ نے اردو کے نحوی استعمال کی تحقیق میں کامیابی سے برتا ہے۔ یہ اردو قواعد نویسی میں ایک نئی چیز ہے جو اردو نحو کے دوسرے پہلوؤں پر ایسی نوعیت کے تخصیصی و تحقیقی مطالعے کی راہیں کھولتی ہیں۔ اور اس انداز کی تحقیق مزید اردو نحو کو ایسی وسعت دے سکتی ہے۔ جو قواعد نویسی کے میدان میں اردو کو بہت آگے لیجائے گی۔

"اردو کی تین مثنویاں"

(سحر البیان، قطب مشتری، گلزار نسیم"

عزیز گرامی پروفیسر خان رشید اللہ صاحب عرصے سے مختلف رسالوں میں اپنے مضامین وقتاً فوقتاً شائع کرتے رہے ہیں۔ اور وہ ملک کے ارباب علم و ادب سے غیر متعارف نہیں ہیں۔ پہلے وہ سندھ مسلم کالج کراچی میں صدر شعبۂ اردو تھے۔ اور قریب چار سال سے سندھ یونیورسٹی میں ہیں۔ ان کو بحمد اللہ شروع ہی سے علمی اور ادبی ماحول حاصل رہا ہے۔ اور طالب علمی کے زمانے ہی سے شعر و ادب سے اچھا خاصا لگاؤ ہے۔ شعر اچھا کہہ لیتے ہیں۔ اور سخن فہمی کے ساتھ ساتھ سخن سنجی کا بھی اچھا مادہ رکھتے ہیں۔ یہ مجموعہ وہ میرے ہی ایما سے شائع کرا رہے ہیں اور امید ہے کہ وہ آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رکھیں گے۔

اس مجموعے میں کہنے کو تو صرف تین مثنویوں پر بحث ہے۔ لیکن اس صنف کے ذیل میں مختلف مباحث کا جس طرح استقرا کیا گیا ہے۔ وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ مثنویوں سے متعلق تمام ضروری معلومات یک جا کر دی گئی ہیں۔ اور کوئی اہم پہلو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ جزئیات کا نشاندہی

اور بحث و تمحیص کے ساتھ ساتھ ضروری تعلیقات اس مجموعے کی نمایاں
خصوصیت ہے۔ شاید ان مثنویوں پر اس قدر سیر حاصل تبصرہ پہلے کبھی
شائع نہیں ہوا۔ ممکن ہے کہ بعض حضرات کو چند چیزیں غیر اہم نظر آئیں
اور "تفصیل پسندی" بھی بعض موقعوں پر زیادہ پسند نہ ہو لیکن یہ
حقیقت ہے کہ تبصرہ نگار کی نظر بعض اوقات ایسے پہلوؤں پر بھی پڑتی ہے
جو بظاہر غیر اہم معلوم ہوتے ہیں اور وہ یہی کہتا ہے کہ ع
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لئے۔

خدا سے دعا ہے کہ یہ مجموعہ طالبانِ علم و ادب کے حلقہ میں قبولیتِ
عامہ کی سند حاصل کرے اور مصنف کی دوسری تصانیف کا پیش خیمہ ہو ؎

یمنے ست دریں قاصدِ از پیش کہ می آرد
فتحے ست دریں نامہ تا خود بکہ می آرد

(حسن دہلوی)

احقر غلام مصطفےٰ خاں

۱۱؍ جنوری ۱۹۶۰ء

فارسی پر اردو کا اثر

یہ مضمون مخدومی نواب صدر یار جنگ مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم و مغفور کی فرمائش پر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ پونا میں ۲۹ دسمبر ۱۹۲۰ء کو پڑھا گیا تھا۔ اس کے بعد رسالہ معارف (اعظم گڑھ) فروری تا مارچ ۱۹۲۱ء) میں شائع ہوا۔ اب مزید اضافوں اور ترمیم کے بعد موجودہ شکل میں نذر ناظرین ہے۔

جن کتابوں اور ماخذوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کا حوالہ دیدیا گیا ہے۔ استدراک اور استنباط کی نشاندہی بھی کردی گئی ہے اور کوشش کی گئی ہے۔ کہ کوئی چیز غیر مستند نہ آنے پائے۔ تاہم بشریت کے تقاضے سے راقم الحروف بھی مجبور ہے۔ اور پردہ پوشی کے لئے اللہ پاک کی بارگاہ میں سربسجود ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مضمون مختصر ہے لیکن جس نہج پر تیار کیا گیا ہے۔ اور ایک ایک لفظ کے لئے جس طرح کاوش کی گئی ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ وما توفیقی الا باللہ آخر میں "اشارہ" بھی ہے۔

دوسرا ایڈیشن

یہ مضمون ۱۹۵۲ء میں کتابی شکل میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ بعض یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہوا۔ اور قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اب کچھ اور ترمیم و

داعفانے۔ خدا کرے کہ مفید ثابت ہو۔ فقط

غلام مصطفٰے خاں

۵ ؍ جنوری ۱۹۶۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

اردو میں قرآنی محاورات

اس مقالے کے دو حصے ہیں۔ (۱) اردو میں قرآنی محاورات، اور (۲) اردو میں حدیث کے محاورات، پہلا حصہ رسالہ بینات (کراچی۔ مارچ تا اپریل ۱۹۶۲ء) میں شائع ہو چکا ہے۔ دوسرا حصہ آج سے قریب ۶ سال پہلے، ایک مؤقر رسالے میں اشاعت کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن بکثرت تقاضوں کے باوجود نہ وہ شائع ہوا۔ اور نہ اس کی کوئی خبر ملی۔ مجبوراً اس کے لئے ابھی دوبارہ کوشش کی گئی اور بحمد اللہ اس کی تکمیل ہو گئی۔ مقالے سے متعلق میرا معاملہ بقول علامہ اقبال کے اب صرف یہ ہے :-

دریں پیری رہِ یثرب گرفتم	نواخواں از سرورِ عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سر شام	کشاید پر بفکرِ آشیانہ

میں اپنے محترم کرم فرما، فاضلِ گرامی ڈاکٹر عبد الواحد ہالی پوتہ صاحب مدیر (ڈائرکٹر) ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد کا بہت

ممنون ہوں کہ انہوں نے اپنے ادارے سے اس مقالے کی اشاعت کا انتظام فرمایا۔ فجزاھم اللہ فی الدارین احسن الجزاء

احقر۔ غلام مصطفٰے افغان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر ٥

(اور ہم نے آسان کیا قرآن، سمجھنے کے لئے، پھر ہے کوئی سوچنے والا؟)

مطالب القرآن

۱۳۹۹ھ میں ریڈیو پاکستان (حیدرآباد) کی فرمائش پر مطالب القرآن کے نام سے قرآن پاک کے مضامین اختصار کے ساتھ مرتب کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ مضامین تین ماہ تک نشر ہوتے رہے۔ پھر دو سال تک رمضان المبارک میں بھی نشر ہوئے۔ لوگوں نے انہیں قرآن پاک کے تعلق کی وجہ سے پسند کیا۔ کاش وہ بارگاہِ الٰہی میں بھی پسند آجائیں اور مجھ سیاہ کار کی بخشش کا ذریعہ بن جائیں۔

قرآن پاک بے شک آسان لیکن فصیح و بلیغ زبان میں ہے۔ راقم الحروف نے اس کے مطالب پیش کرتے ہیں معلوم نہیں کتنی غلطیاں کی ہوں گی بس دعا ہے کہ خدایا۔

ع بر من منگر، بر کرم خویش نگر

میرے بعض قریبی عزیزوں نے (جو اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے) اس کتاب کی طباعت میں اعانت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم اور

بیش از بیش فلاح دارین عطا فرمائے۔ آمین۔

احقر۔ غلام مصطفےٰ خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لوائح خانقاہ مظہریہ رح
یعنی
مکتوبات مدّ ظلہ دیر

محترم ڈاکٹر خلیق انجم نے مختلف مجموعوں کے مطالعے سے حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۹۵ھ) کے مکتوبات اور نثری تحریروں کو مرتب کرکے ان کا اردو ترجمہ ۱۹۶۲ء میں دہلی سے "مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط" کے نام سے شائع کیا تھا۔

پھر محترم عبدالرزاق قریشی نے حضرت مظہر رح کے نادر اور غیر مطبوعہ فارسی مکتوبات کا ایک مجموعہ "مکاتیبِ میرزا مظہر رح" کے نام سے ۱۹۶۶ء میں بمبئی سے شائع کیا۔ جس میں علاوہ تین مطبوعہ مکتوبات کے ۱۴۴ غیر مطبوعہ مکتوبات تھے جو مرتب کو حضرت مولانا ابوالحسن زید صاحب فاروقی، سجادہ نشین درگاہ شاہ ابوالخیر رح (چتلی قبر، دہلی) سے ملے تھے اور مولانا نے موصوف کو حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح کے مکان واقع محلہ قاضیان، پانی پت سے حاصل ہوئے تھے۔ قاضی صاحب رح کو حضرت

مظہر رح سے کیسی شیفتگی اور عقیدت تھی اور ان کے مکتوبات کو کیسی حفاظت سے رکھا ہوگا!

اس دوران میں حسنِ اتفاق سے راقم الحروف کو حضرت مولانا حنیف اللہ صدیقی سے شرف نیاز حاصل ہوا، جو گمبٹ (ضلع خیرپور، سندھ) میں عربی کے معلم ہیں۔ اور ریاست دیر (مالاکنڈ ایجنسی) کے مقام اوچ کے رہنے والے ہیں۔ اوچ میں اس وقت ان کے بڑے بھائی، محترم حکیم صاحبزادہ محمد میر آغاجان صاحب خانقاہ اخوند ملا محمد نسیم الموسوم بہ خانقاہ نور محل میں مسند نشین تھے۔ حضرت اخوند ملا محمد نسیم حضرت مظہر کے ممتاز خلفا میں سے تھے اور برسوں حضرت مظہر کی خدمت میں حاضر رہے تھے انکی حضرت مظہر سے عقیدت و شیفتگی بہت غیر معمولی اور بیمثل تھی جس کا ذکر مقامات مظہری میں خاص طور سے کیا گیا ہے۔ اور صراحت کی گئی ہے کہ حضرت مظہر رح سے اخلاص و متابعت کا جذبہ یہاں تک راسخ تھا کہ کوئی کام آپ کی اجازت کے بغیر نہیں کرتے تھے۔ اسی اخلاص و عقیدت کے سبب سے حضرت مظہر کی کئی یادگاریں[۱]، اور ایک بڑی تعداد میں سلسلۂ مظہریہ کے مکتوبات ان کے پاس محفوظ رہے، اور ان کے بعد ان کے اخلاف کی توجہات کے نتیجے میں آج تک خانقاہ نور محل اوچ، دیر میں محفوظ ہیں۔

---

[۱] ملا نسیم کی خانقاہ میں حضرت مظہر رح کی شہادت کے وقت کے خون آلودہ کپڑے بھی محفوظ ہیں۔ شہادت چونکہ ۶ جنوری ۱۷۸۱ء (۱۰ محرم ۱۱۹۵ھ) کو ہوئی تھی۔ یعنی سخت سردی کے دن تھے اس لئے حضرت میرزا صاحب رح دوئی کا فرغل پہنے ہوئے تھے۔ بائیں طرف دل کے قریب وہ فرغل طمنچے کی ضرب سے خون آلودہ ہے۔ اور

راقم الحروف نے حضرت نسیمؒ کے جمع کردہ نادر اور غیر مطبوعہ مکتوبات تک رسائی حاصل کرنے کیلئے اوچ کا سفر اختیار کیا۔ خانقاہ میں حضرت مظہرؒ کے دس مکتوبات، اور ان کے خلیفہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (م ۱۲۲۵ھ) کے نو مکتوبات موجود ہیں۔ حضرت مظہرؒ کے نام ان کے احباب اور مریدین و متوسلین کے لکھے ہوئے مکتوبات بھی ایک بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ ان کی تعداد ۳۷ ہے۔ علاوہ ازیں ۴۴ مکتوبات ایسے ہیں جو حضرت مظہرؒ کے احباب اور مریدین و متوسلین نے آپس میں ایک دوسرے کو تحریر کئے ہیں۔ یا حضرت نسیمؒ کے متوسلین نے تحریر کئے ہیں۔ اس موقع پر حضرت نسیمؒ کے اخلاف مذکورہ کی عنایت سے نہ صرف ان غیر مطبوعہ مکتوبات میں سے بعض کی نقل حاصل ہوئی، بلکہ چند کے عکس تیار کرنے کا موقع بھی ملا۔

اور اس وقت کا اٹھا جانا بھی ہے۔ جس کے سامنے کے حصے میں دو سوراخ چھوٹے چھوٹے ہیں۔ اور پچھلے حصے میں بڑے بڑے سوراخ جلے ہوئے اور خون آلودہ ہیں۔ وہیں ایک پوسی میں وہ دھجیاں بھی ہیں جن سے حضرتؒ کا خون پونچھا گیا تھا۔ یہ سب چیزیں خانقاہ نور محل میں موجود ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک بھی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا سبز کلاہ

راقم الحروف نے اس ذخیرۂ مکتوبات کو علمی حلقوں سے روشناس کرانے کی سعادت حاصل کی۔ رسالہ اردو کراچی میں اس سلسلے کی دو قسطیں چھپیں۔ جولائی ۱۹۶۷ء کے شمارے میں حضرت مظہرؒ کے چند غیر مطبوعہ مکتوبات پیش کیے گئے اور ان مکتوبات شریف تک رسائی کی کیفیت بھی درج کر دی گئی۔ پھر رسالہ اردو کی دوسری اشاعت بابت اکتوبر ۱۹۶۷ء میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے مکتوبات پیش کیے گئے۔

ان مکتوبات کے پہلی بار چھپنے کے بعد، قبلہ حکیم صاحبزادہ محمد میر آغا جان صاحب سجادہ نشین خانقاہ نور محل نے یہ کرم فرمایا کہ ۱۹۶۹ء میں خود اپنے دست مبارک سے باقی جملہ مکتوبات نقل کر کے روانہ فرمائے افسوس کہ قبلہ حکیم صاحب نے پنج شنبہ ۲ رمضان ۱۳۹۲ھ (۱۲ اکتوبر ۱۹۷۲ء) کو انتقال فرمایا اور وہ یہ مطبوعہ مجموعہ نہ دیکھ سکے۔[۱]

۱؎ قطعۂ تاریخ وفات حکیم محمد میر آغا جان صاحب مرحوم، از مرتب:-

گذشت افسوس ازیں دنیا — جنابِ مرشدِ ذی شان
شہِ طبعِ صفا بودہ — محمد میر آغا جان
۵ — ۸ ۹ ۱۳ = ۱۹۷۲ء
مطیعِ دینِ حق چون او — کجا پیدا کند یزدان
طبیبِ ظاہر و باطن — یقیناً رہبرِ عرفان
حکیم و عالم و حافظ — حبیبِ حق و انس و جان
نہ بودش ہیچ در عالم — ہوا و حرص عافیان
سر و پائے ہوا برید — محمد میر آغا جان
۱+۵ — ۸ ۹ ۳ ۱ = ۱۳۹۲ھ

ان مکتوبات کو از سرِ نو ترتیب دے کر پیش کیا جا رہا ہے۔ بعض مکتوبات کے لکھنے والوں کا نام بصراحت مکتوبات میں موجود نہیں ہے۔ قرائن اور شواہد کی بنا پر ان کے لکھنے والوں کے نام کی تعیین کی گئی ہے۔ بہت سے مکتوبات نگار حضرت مظہرؒ کے سلسلے کے معروف و ممتاز افراد ہیں جن کا ذکر اس سلسلے کی کتابوں میں جگہ جگہ آتا ہے۔ علاوہ ازیں، اس مجموعے کے متعدد مکتوبات سے بھی ان حضرات کے مزید حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، محمد احسان احمد، نواب ارشاد خاں اور ان کے صاحبزادے ظفر علی، غلام عسکری خاں، مولوی ثناء اللہ سنبھلی، میر محمد مبین، میر علی اصغر عرف میر لکھو، محمد مراد، غلام حسن نعیم اللہ، محمد کلیم اور اخوند محمد نسیم، یہ وہ حضرات ہیں جن کا ذکر حضرت مظہرؒ کے مکتوبات میں جگہ جگہ ہے اور ان کے نام مکتوبات بھی ہیں۔ نیز مقاماتِ مظہری میں، ان میں سے اکثر کا بیان حضرت کے خلفاء کے ذیل میں آیا ہے۔ ان سب ماخذوں سے حالات اخذ کر کے مکتوبات سے قبل درج کر دیے گئے ہیں تاکہ اس مجموعے کے مکتوبات کو سمجھنے میں سہولت ہو اور جہاں جہاں ممکن ہوا۔ تعینِ سنین کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ اس مجموعے میں، حضرت مظہرؒ کے نام لکھے ہوئے ایسے مکتوبات بھی ہیں۔ جو حضرت مظہرؒ کے بعض مکتوبات کے جواب میں ہیں۔ اور اس طرح کلماتِ طیبات اور محترم خلیق انجم و محترم عبدالرزاق قریشی کے مجموعوں میں شامل شدہ بعض مکتوبات کو سمجھنے میں وہ معاون ثابت ہوں گے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح کے نام، کلمات طیبات اور
خلیق انجم کے مجموعے میں حضرت مظہر رح کے سات مکتوبات ہیں۔ محترم
قریشی کے مجموعے میں بہ تعداد ۱۳۰ تک پہنچ گئی ہے۔ کلمات طیبات کے
۵، ۷ کے بارے میں جو قاضی صاحب کے نام لکھے ہوئے مکتو
میں سے ہیں، محترم عبدالرزاق قریشی نے صراحت کی ہے کہ یہ حضرت مظہر
اصل مکتوبات کے انتخابات کی شکل میں ہیں۔ بہر کیف ان کو نظر انداز
جائے تو بھی قاضی صاحب کے نام، حضرت مظہر رح کے کوئی ۱۳۵ مکتوبا
ہوتے ہیں۔ جو مطبوعہ مجموعوں میں شامل ہیں۔ مگر قاضی صاحب رح کا کوئی
مکتوب جو مظہر رح کے نام لکھا گیا ہو۔ دستیاب نہیں تھا۔ اب اس مجم
(لوایح خانقاہِ مظہریہ) میں قاضی صاحب رح کے پانچ مکتوبات بنام حضر
مظہر رح شامل ہیں۔ اسی طرح اور بھی کئی ایسے حضرات کے لکھے ہو
مکتوبات اس مجموعے میں شامل جن کے نام حضرت مظہر رح کے مکتوبات
کلمات طیبات میں اور محترم عبدالرزاق قریشی کے مجموعوں میں ہیں اور ا
مجموعے کی بدولت حضرت مظہر رح اور ان کے احباب کے مابین خط و کتاب
کا وہ سلسلہ دو طرفہ ہو رہا ہے۔ جو مطبوعہ مجموعوں میں اب تک یکطرف
ہی رہا ہے۔ اس طرح حضرت مظہر رح اور ان کے احباب اور مریدین
مابین تعلقات و مراسم کی تصویر زیادہ واضح طور سے ابھرتی ہے۔

بعض مکتوبات میں تاریخی واقعات کی طرف اشارات ملتے ہیں
خصوصیت کے ساتھ شاہ ابدالی اور نواب قاسم علی خاں سے متعلق

مکتوبات
اشارات قابلِ لحاظ ہیں ۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور مرلی دھر کے
مکتوبات میں، احمد شاہ ابدالی کی آمد آمد کی خبروں کا ذکر ہے ۔ نواب قاسم علی
خاں سے متعلق مکتوبات کی تاریخی افادیت اور زیادہ واضح ہے ۔ حضرت
مظہرؒ کا روہیلہ سرداروں پر گہرا اثر تھا ۔ ان کے سلسلے کے کئی حضرات نواب
عماد الملک، نواب نجیب الدولہ، نواب افضل خاں برادر نجیب الدولہ
اور نواب مجد الدولہ کی سرکاروں سے وابستہ تھے ۔ ملا رحم داد روہیلہ خود
حضرت مظہرؒ کا عقیدت مند تھا اور اس کے لشکر میں حضرتؒ کے متعدد مرید
تھے ۔ جب کہ وہ سکھوں پر لشکر کشی میں مشغول تھا ۔ اور روہیل کھنڈ کے
سرداروں میں، حافظ رحمت خاں، دوندے خاں، اس کا بیٹا محب اللہ
خاں اور ہمشیر زادہ محمد خاں وغیرہ حضرت مظہرؒ سے تعلق رکھتے تھے ۔ نواب قاسم علی
خاں جب بکسر کی لڑائی میں شکست کے بعد شمالی ہند آیا اور دوبارہ فوج اکٹھی
کرنے کا منصوبہ اس نے بنایا تو حضرت مظہرؒ کے متوسلین نے بھی اس مہم میں دلچسپی
لی، جیساکہ اس مجموعے کے متعدد مکتوبات سے ظاہر ہے ۔ عربی زبان میں لکھا
ہوا ایک مکتوب تمام تر اسی نوعیت کا ہے ۔ اور بہت اہم معلوم ہوتا ہے ۔
اس میں ایک عقیدت مند سردار کی جانب سے، حضرت مظہرؒ کے توسط کو
کام میں لاتے ہوئے سوار اور پیادے اور گھوڑے مہیا کرنے کی پیشکش
کی گئی ہے ۔ حضرت مظہرؒ کے ایک مکتوب بنام میر عبدالہادی میں نواب قاسم علی
خاں کی ان کوششوں کا تفصیلاً ذکر ملتا ہے اور اسی میں مکتوب الیہ کی اس
فرمائش پر کہ نواب قاسم علی خاں سے ان کے لئے بھی سفارش کی جائے ۔

حضرت مظہرؒ نے ان موانع کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ جو نواب قاسم علی خاں کو جانباز روہیلوں کا ایک تازہ دم لشکر بھرتی کرنے میں پیش آئے۔ سرداروں نے روہیلہ سپاہیوں کی بھرتی کی اجازت اولاً تو دے دی، لیکن جب دیکھا کہ نواب قاسم علی خاں کے علوفہ بیش قرار مقرر کرنے کے سبب سے جماعہ دار سب اس کی رفاقت میں کھنچے چلے جاتے ہیں تو از راہ اندیشی وہ سردار مانع آئے اور ناچار نواب قاسم علی خاں بریلی جا کر بیٹھ گئے۔

نواب افضل الدولہ (برادر نجیب الدولہ) کے لشکر کے رسالداروں میں سے رحیم خاں خانزادہ اور محمد حسن خاں خانزادہ بھی حضرت مظہرؒ کے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔ جو حضرتؒ کے ارشادات کی تعمیل میں کوشاں رہتے تھے۔ جیسا کہ ان حضرات کے لکھے ہوئے مکتوبات (بنام حضرت مظہر) سے ظاہر ہوتا ہے۔ غلام عسکری خاں اور نواب ارشاد خاں (اور ان کے صاحبزادے ظفر علی خاں) بختاور خاں، محمد خاں آفریدی میرزا محمد علی بیگ، خواجہ عبید خاں یہ سب اصحاب سیف تھے۔ جو حضرت مظہر کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ امراء رسالداروں، جماعہ داروں اور دیگر فوجی خدمات انجام دینے والوں کی اس کثیر تعداد میں حضرت مظہرؒ سے عقیدت مندی کے نتیجے میں، حضرت مظہرؒ کے سیاسی اثرات بھی خاصے نمایاں تھے۔ نجف خاں کے دور وزارت میں جو حضرتؒ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ واقعات و حالات کو دیکھتے ہوئے کوئی اتفاقی نوعیت

کا نہ تھا، بلکہ سیاسی مخالفین کی منصوبہ بندی کے نتیجے میں عمل میں آنے والا سیاسی قتل تھا۔ بہرکیف، اس مجموعے کے متعدد مکتوبات سے ارباب سیف وعلم سے حضرت مظہرؒ کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے۔

حضرت مظہرؒ کے جو مکتوبات اس مجموعے میں شامل ہیں ان کا اسلوب سابقہ مجموعوں کے مکتوبات جیسا ہے۔ پر تکلف اور رسمی القاب و آداب ان مکتوبات میں بھی نہیں ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے نام مکتوب یوں شروع ہوتا ہے۔ "بعد حمد و صلوٰۃ از فقیر جان جاناں، برادر با کمال فضیلت پناہ مولوی سناء اللہ صاحب مطالعہ نمایند" حضرت مظہرؒ نے ثناء اللہ کو سناء اللہ لکھا ہے۔

ملا نسیم کے نام مکتوبات میں بھی حمد و صلوٰۃ اور اپنے نام کی صراحت کے بعد کچھ ایسے ہی انداز میں مکتوب الیہ کو مخاطب کیا ہے۔ یعنی فرزند سعادت مند مولوی محمد نسیم جیو سلمہ الرحمٰن "مطالعہ نمایند" یا فرزند از جان اخوند زادہ محمد نسیم، او صلہ اللہ الکریم الی مقام عظیم، مطالعہ نمایند یا "فضائل پناہ کمالات دستگاہ اخوند زادہ ملا محمد نسیم جیو ابقاء الرحمٰن مطالعہ نمایند" میر عبدالہادی کے نام جو مکتوب ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے۔ "بعد حمد و صلوٰۃ از فقیر جان جاناں میر عبدالہادی صاحب مطالعہ نمایند"۔ اور ایک مکتوب ایسا بھی ہے جس میں مکتوب الیہ کا پورا نام تک ندارد ہے۔ صرف "شیخ صاحب مطالعہ نمایند" لکھ دیا گیا ہے۔ عبارت کا انداز بھی وہی سادہ و بے تکلف ہے اور چھوٹے چھوٹے جملوں پر مشتمل ہے

مظہرؒ کے مکتوبات کے سابقہ مجموعوں میں ملتا ہے۔ حضرت مظہرؒ دن تاریخ اور مہینا تو اپنے مکتوبات میں لکھ دیتے ہیں مگر سنہ سوائے ایک مکتوب (بنام سید موسیٰ خاں دہبیدی، مشمولہ مجموعۂ عبدالرزاق قریشی) کے اور کہیں لکھا ہوا نہیں ملتا۔ یہی صورت حضرتؒ کے ان مکتوبات کی بھی ہے۔ جو اس مجموعے میں شامل ہیں ۔

حضرت مظہرؒ کے نام مریدین و منتوسلین کے جو مکتوبات ہیں۔ ان میں حضرتؒ کے لیے القاب و آداب کا ایک مخصوص و منفرد انداز گویا اکثر نے اپنے لیے جدا جدا مقرر کر لیا ہے۔ اور اس سبب سے بعض نامعلوم الاسم مکتوبات کے لکھنے والوں کے نام معلوم کرنے میں مرتب کو مدد بھی ملی ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ حضرت مظہرؒ کے نام اپنے مکتوبات کو یوں شروع کرتے ہیں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥ الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۔ عرضی کمترین غلامان محمد ثناء اللہ بموقف عرض میرساند۔ احوال غلام مستوجب حمد الٰہی وشکر توجہات قبلہ گاہیست ادام اللہ برکاتہٗ، وصحت ذات اقدس مقدس مدام مطلوب" ملا نسیم کے نام مکتوب قاضی صاحب نے لکھے ہیں۔ ان میں بھی ایک مقررہ انداز ملتا ہے۔ وہ یوں شروع کرتے ہیں۔ الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ مولوی صاحبِ مشفق مہربان اخوند ملا محمد نسیم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سلامت فقیر حقیر محمد ثناء اللہ پانی پتی بعد از سلام سنت الاسلام و نیاز مندیہا و اشتیاق بہجت آیات

مطالعہ فرمایند۔" قاضی صاحبؒ کے جو مکتوبات کلمات طیبات میں بنام شاہ غلام علی و شیخ محمد قاضی کرانہ و نعیم اللہ بہرائچ شامل ہیں۔ ان کا انداز بھی کچھ یہی ہے۔ حضرت مظہرؒ کے مریدین و منتوسلین میں سے محمد احسان احمد اکثر "خداوند خدا یگان مدظلہ العالے" یا "خداوند نعمت مدظلہ العالی سلامت" پر اکتفا کرتے ہیں۔ نواب ارشاد خان کے صاحبزادے ظفر علی نے احترام کا یہ طریقہ اپنایا ہے۔ کہ مکتوب کے انداز میں نہیں بلکہ عرضی کے انداز میں عرض مدعا کرتے ہیں۔ اور یوں شروع کرتے ہیں۔ "معروض میدارد کہ ......" اور خاتمہ "عرض ظفر علی" لکھ کر کرتے ہیں۔ یا کبھی شروع میں حضرت قبلہ و کعبہ مدظلہ العالے بھی لکھتے ہیں۔ حضرت مظہرؒ کی پیروی میں ظفر علی نے بھی اپنے ہم وطن اور استاد مولوی ثناء اللہ سنبھلی کو حضرت مظہر رحمۃ اللہ علیہ کے نام اپنے مکتوب میں "س" سے ثناء اللہ لکھا ہے۔ غلام عسکری خان "حضرت قبلہ و کعبہ دوجہان مدظلہ العالی" اور مولوی ثناء اللہ سنبھلی "بجناب عالی حضرت پیر دستگیر مدظلہ العالی میرساند" لکھتے ہیں۔ میر محمد مبین کا انداز تخاطب بھی انہی سے مصروس ہے۔ وہ "بعرض مبارک مقدس قبلہ عالم و عالمیان قطب ربانی، قیوم زمان پیر دستگیر حضرت ایشان مدظلہ العالی میرساند" لکھ کر مکتوب شروع کرتے ہیں۔ مگر ان سبھوں میں سب سے عمدہ اور معنی خیز انداز نواب ارشاد خان کا ہے۔ کہ اپنا نام بصراحت مکتوبات میں نہیں لاتے مگر القاب و آداب میں اس کی رعایت ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور حضرت مظہرؒ کو یوں مخاطب کرتے ہیں۔ "حضرت پیر و مرشد قبلہ ارشاد مدظلہ العالی"۔

مقامات مظہری میں حضرت مظہرؒ کے ۴۷ خلفاء کے حالات
دیئے گئے ہیں - ان میں سے جن کے لکھے ہوئے مکتوبات اس مجموعے (الوا
خانقاہ مظہریہ اعنی مکتوبات مدرسہ دیر) میں شامل ہیں - ان کے نام

(۱) قاضی ثناء اللہ پانی پتی

(۲) نواب ارشاد خاں سنبھلی

(۳) شیخ محمد احسان احمدی

(۴) مولوی ثناء اللہ سنبھلی

(۵) میر محمد مبین -

(۶) میر علی اصغر عرف میر لکھو

(۷) شیخ محمد مراد

(۸) شیخ غلام حسن

(۹) نعیم اللہ

(۱۰) محمد کلیم " اور

(۱۱) اخوند محمد نسیم

یہ سب حضرات حضرت مظہرؒ کے ممتاز خلفاء میں سے ہیں. مگر ان کے مکتوبات میں طالب رشد و ہدایت یا طالب نصیحت پر مشتمل کوئی چیز نہیں ملتی حضرت مظہرؒ کے لکھے ہوئے مکتوبات میں بھی یہی صورت ہے اور یہی صورت محترم عبدالرزاق قریشی کے مجموعے کے مکتوبات میں بھی ہے - کہ ان میں وعظ و تذکیر اور دعوت و اصلاح کا انداز نہیں ہے - دعوت و

صلاح اور رشد و ہدایت کے مضامین پر مبنی مکتوبات کلمات طیبات کی میں ملتے ہیں۔ بہرکیف، ان مکتوبات کی بھی اپنی ایک اہمیت ہے۔ حضرت مظہرؒ کی گھریلو زندگی، احباب اور مریدین و متوسلین، امراء، علماء، فضلاء، فوجی سرداروں اور دیگر عام آشناؤں سے حضرت مظہرؒ کے تعلقات و مراسم اور معاملات و مراسلات کی ایک ایسی بھرپور تصویر ان مکتوبات سے ابھرتی ہے۔ جس میں صرف حضرت مظہرؒ کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی تفصیلات ہی نہیں۔ بلکہ اس دور کی معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی حالت کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ یہ مکتوبات از اول تا آخر نجی نوعیت کے ہیں اور منظر عام پر آنے کے احساس کے تحت نہیں لکھے گئے ہیں۔ اس لئے ان میں مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کی شخصی زندگی کی سچی تصویریں ہیں۔ اور حضرت مظہرؒ کی مثالی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح سامنے آتی ہے۔ معاملات ہیں، ادائے حقوق ہیں۔ صلہ رحمی ہیں، دوسروں کے کام آتے ہیں اور گھریلو زندگی کی الجھنوں کو صبر و ثبات کے ساتھ سہتے ہیں، دینی حمیت ہیں، شریعت کی پابندی ہیں، ملکی معاملات و مسائل سے باخبر رہنے اور وقت کی رفتار کو سمجھتے ہیں حضرت مظہرؒ کی دلکش شخصیت کے جو جو پہلو، جس بے تکلفی اور سچائی کے ساتھ ان مکتوبات میں نظر آتے ہیں۔ وہ اور کہاں ملیں گے؟ تاریخ کی رنگ آمیزیاں تو اچھی اچھی شخصیتوں کو کچھ کا کچھ بنا دیتی ہیں اور حضرت مظہرؒ کی دل کش و دل آویز شخصیت کے ساتھ تو بعض اہل قلم نے دانستہ کچھ زیادتیاں کی ہیں۔

لیکن اللہ پاک کا یہ کرم ہے۔ کہ حضرت مظہرؒ کے لکھے ہوئے مکتوبات اتنی بڑی تعداد میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے مکان سے دستیاب ہوئے جو مترجم عبدالرزاق قریشی کے مجموعے میں شامل ہیں۔ اور اب حضرت کے ایک اور ممتاز خلیفہ اخوند ملا محمد نسیمؒ کی خانقاہ سے، حضرتؒ اور ان کے احباب و وابستگان کے مکتوبات کا یہ ذخیرہ دستیاب ہو کر بفضلہٖ منظر عام پر آرہا ہے۔

مکتوبات کے اس مجموعے کی تقسیم دو حصوں یا ابواب پر کی گئی ہے، پہلا حصہ "بابِ مظہرؒ" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، اور دوسرا حصہ "باب نسیم" کے نام سے۔ باب مظہرؒ میں حضر مظہرؒ کے لکھے ہوئے اور ان کے نام آئے ہوئے مکتوبات کے علاوہ آپ کے سلسلے کے حضرات کے آپس میں لکھے ہوئے مکتوبات بھی ہیں۔ اور ان مکتوبات کی اہمیت پر، اوپر روشنی ڈالی جا چکی ہے

دوسرا حصہ یعنی "باب نسیمؒ" اخوند ملا محمد نسیمؒ کے نام قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ حضرت مظہرؒ، والدہ ماجدہ حضرت نسیمؒ کے مکتوبات ہیں۔ اور ان کے علاوہ احباب اور مریدین کے مکتوبات بھی ہیں۔ جو اخوند محمد نسیم کے نام لکھے گئے ہیں۔ ان مکتوبات سے سرحد کے علاقوں میں سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کی ترویج واشاعت سے متعلق کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

"تذکرہ علماء مشائخ سرحد" مؤلفہ محمد امیر شاہ قادری میں سرحد کے علما کے ساتھ ساتھ مشائخ کا ذکر بھی ہے۔ اور سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگوں میں حضرت شیخ یحییٰ المعروف بہ حضرت جی صاحبؒ (م ۱۰۱۰ھ

(تا ۱۱۳۱ھ۔ حافظ عبدالغفور نقشبندی پشاوری (۱۰۵۲ھ تا ۱۱۱۶ھ) سید شاہ محمد غوثؒ (م ۱۰۸۴ھ تا ۱۱۵۲ھ) حاجی محمد امین صدیقی نقشبندی ساکن پشاور۔ حضرت غلام محمد المعروف بہ حضرت جی صاحب پشاوری نقشبندی (۱۱۰۱ھ تا ۱۱۷۵ھ) حافظ محمد عظیم (۱۲۰۵ھ تا ۱۲۷۵ھ) آقا سید پیر جان (م ۱۳۱۵ھ) اور ملا محمد عظیم کے نام آتے ہیں۔ علاوہ ان حضرات کے، سرحد میں ایک اور خانوادہ ہے۔ جس سے طریقۂ مجددیہ کو فروغ حاصل ہوا، یعنی سرہند پر سکھوں کے تسلط کے بعد حضرت قبلۂ وقت فضل احمد معصومیؒ المعروف بہ "حضرت جیو صاحب" (۱۱۵۱ھ تا ۱۲۳۱ھ) ۱۱۸۷ھ میں پشاور تشریف لے گئے۔ اور وہاں محلہ کاکا جمعدار داروغہ کچہری میں اقامت فرمائی۔ آپ کا نسب حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہ کے بڑے بھائی شاہ عبدالرزاق تک پہنچتا ہے۔ اور دادی کی طرف سے آپ "معصومی" ہیں۔ آپ نے بخارا تک پانچ سفر بھی کیے۔ شاہِ بخارا غازی شاہ مراد، اس کے بیٹے اور امرا نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی آپ نے شاہ محمد رساؒ سے، انہوں نے خواجہ محمد پارساؒ سے اور انہوں نے حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے دو صاحبزادوں سے یعنی خواجہ محمد نقشبند ثانیؒ اور مروج الشریعت خواجہ محمد عبید اللہؒ سے فیض حاصل کیا تھا۔ شاہ فضل احمد معصومیؒ کا مزار پشاور کے چوک ناصر خان، محلہ فضل حق میں واقع ہے۔ آپ کی اولاد ۱۲۶۲ھ میں پشاور سے تنگی اور وہاں سے

سوات کو ہجرت کر گئی۔ مولانا عبداللہ جان فاروقی صاحب مدظلہ العالی
(تمقانہ۔ گرامی حضرت خیل۔ ملاکنڈ) آپ ہی کے اخلاف ہیں سے ہیں۔
ان کے علاوہ حضرت شاہ غلام محمد "المعروف" حضرت جی" (ابن
شاہ غلام محمد معصوم ثانی[1] ابن خواجہ محمد صبغۃ اللہ ابن خواجہ محمد معصوم سرہندی

---

[1] شاہ غلام محمد معصوم ثانی کے چوتھے فرزند شاہ عزت اللہ (م ۱۲۱۶ھ) کابل میں مدفون ہیں ان کے صاحبزادے صفی اللہ، ان کے عبدالباقی ان کے محمد صدیق ان کے فضل قیوم اور ان کے صاحبزادے حضرت نور المشائخ فضل عمر (المعروف ملا شور بازار۔ المتوفی ۲۵ محرم ۱۳۷۷ھ) تھے۔ جن کے صاحبزادے فضل عثمان صاحب اور ضیاء المشائخ مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہم ہیں۔ شاہ غلام محمد معصوم ثانی کے چھوٹے فرزند محمد صادق تھے۔ جن کے صاحبزادے غلام محی الدین تھے۔ جو حیدرآباد سندھ میں فوجی ہسپتال کے عقب میں مدفون ہیں۔ ان کے صاحبزادے فدائے محی الدین، ان کے حاجی محمد شریف ان کے بحر الدین اور ان کی صاحبزادی خدیجہ (م ۱۳۹۱ھ) تھیں۔ لیکن شاہ غلام محمد معصوم ثانی کے پہلے فرزند حضرت شاہ غلام محمد کے اخلاف نے سندھ میں بہت فیض پہنچایا ہے۔ ان کے صاحبزادے شاہ غلام حسن تھے ان کے شاہ غلام نبی ان کے شاہ محمد فضل اللہ اور ان کے شاہ عبدالقیوم تھے۔ مؤخر الذکر تین بزرگ قندھار میں مدفون ہیں۔ شاہ عبدالقیوم کے صاحبزادے خواجہ عبدالرحمٰن (م ۱۳۱۵ھ) تھے۔ جو مقبرہ کوہ گنج (حیدرآباد سندھ سے قریب ۱۰ میل) میں آرام فرما ہیں۔ ان کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک آغا محمد حسن جان (م ۱۳۶۵ھ) جن کے چار صاحبزادے ہوئے۔ (۱) عبداللہ جان عرف شاہ آغا (م ۱۳۹۳ھ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳ پر)

قدس سرہٗ) بھی صاحبِ فیض بزرگ تھے ۔ ان کا ذکر اوپر آچکا ہے ۔ آپ کی اولاد کابل، قندھار اور سندھ میں آباد ہے ۔ اور ان کی وجہ سے ایک عالم مستفیض ہو رہا ہے ۔

سید شاہ محمد غوث نے، جن کا ذکر مشائخ سرحد کے ذیل میں اوپر آچکا ہے ۔ شیخ عبدالاحد عرف شاہ گل المتخلص "وحدت" سے کسب فیض کیا تھا ۔ اور شاہ غلام حسن (المتوفی ۱۲۰۴ھ) جن کے مکتوبات "باب نسیم" میں شامل ہیں ۔ حضرت غلام محمد المعروف بہ حضرت جی صاحب کے فرزند تھے ۔ مشائخ سرحد میں ایک اور بزرگ آغا سید پیر جان کا بھی ذکر آیا ہے ۔ جو برادرِ خورد تھے ۔ سید غلام کے جن کے مکتوبات "بابِ نسیم" میں شامل ہیں ۔ سید غلام رح المعروف سید میرجی (م ۱۲۸۳ھ) جن کا نسب پانچ واسطوں سے ابوالبرکات سید حسن قادری پشاوری سے مل جاتا ہے ۔ ان کے بارے میں مجموعۂ ہٰذا مزید معلومات فراہم کرتا ہے ۔ ان کا تعلق ملا محمد نسیم سے بھی رہا ہے جیسا کہ ملا صاحب کے نام ان کے مکتوب سے ظاہر ہے ۔

ملا محمد عظیم رح بھی ملا محمد نسیم رح کے تعلق کے تھے ۔

(صفحہ ۶۲ کا بقیہ حاشیہ)

(۲) عبدالستار جان رح (م ۱۳۸۷ھ) (۳) مولانا حافظ محمد ہاشم جان مدظلہ اور (۴) محمد حنیف جان مدظلہٗ ۔ خواجہ عبدالرحمٰن رح کے دوسرے صاحب زادے آغا محمد حسین جان تھے جن کے صاحبزادہ آغا محمد اسمٰعیل جان المتخلص بہ روشن (م ۱۳۶۱) کے دو صاحب مولانا محمد اسحاق جان مدظلہٗ اور مولانا محمد ابراہیم جان مدظلہٗ ہیں ۔

حضرت مظہرؒ سے تربیت پانے والے، سرحد کے جن حضرات کا ذکر مقاماتِ مظہری میں ہے۔ ان کے بارے میں اس مجموعے سے مزید کچھ معلومات ملتی ہیں۔ نیز ملا محمد نسیمؒ دہلی سے واپس آکر اور اوچ (درا) میں رہ کر رشد و ہدایت کا جو سلسلہ جاری کیا تھا۔ اس کے فیض یافتگان کے کچھ نام بھی سامنے آجاتے ہیں۔

مقاماتِ مظہری میں اخون نور محمد قندھاری، ملا نسیم، ملا عبدالرزاق، ملا جلیل، ملا عبداللہ اور ملا یعقوب کا ذکر مظہرؒ کے خلفاء کے ذیل میں آتا ہے۔ یہ ساتوں حضرات سرحد کے ہیں۔ اخون نور محمد علم دین سے بہرہ رکھتے تھے اور طریقہ نقشبندیہ کی تعلیم بھی پائی تھی۔ ملا نسیم کو مقامات میں "اجلہ خلفاء حضرت ایشان" میں سے قرار دیا گیا ہے۔ اور وہ عالم بھی تھے۔ ملا عبدالرزاق کے بارے یہ صراحت ہے۔ کہ "در علم فقہ و اصول مہارتِ تام دارد و بالتزام صحبت مبارک حضرت ایشان حالات نیک پیدا کرد و مدارج قرب الٰہی ترقیات نمودہ تا بکمالات فایز گردید، اجازت تعلیم طریقہ یافتہ با ناصیہ علم ظاہر د باطن صرف اوقات نیک دارد" ملا عبداللہ جن کے دو مکتوبات ملا نسیم کے نام اس مجموعے میں ہیں۔ ان کا ذکر مقامات مظہری میں یوں آیا ہے "بعلم و ادب مردے بود صالح بیمن صحبت حضرت ایشان از ارباب حضور و آگاہی گردید، چند روز با ملا نور محمد صحبت داشتہ د بوطن خود رفتہ . . . ." ملا یعقوب کے بارے میں مقامات میں آتا ہے کہ "طریقہ از حضرت ایشان گرفتہ بمقام فنائے قلبی رسیدہ احوال حضور آگاہی نقد

وقت خود ساخت و با ملا نور محمد صحبت داشتہ در وطن خود ریاضت شاقہ اختیار نمود......" سرحد کے بعض حضرات نے ملا نسیم اور ملا تیمور (تمر) دونوں سے کسبِ فیض کیا تھا۔ چنانچہ مقامات میں صراحت ہے کہ "طالبان حرارت شوق در صحبت ملا نسیم از جمعیت و طمانیت حظے نیافتہ بخدمت وے رجوع آوردہ بمقصود خود رسیدند" ان کا نام مکتوبات میں "تیمر" آتا ہے۔ ان کے فیض یافتگان میں ملا اولیا، ملا ابراہیم، شاہ لطف اللہ، ملا سیف الدین، محمد خان، خواجہ محمد عمر، خواجہ یونس، شیخ قطب الدین، شیخ محمد امین اور شیخ غلام حسین کے نام آتے ہیں۔ اب سلسلہ مظہریہ سے تعلق رکھنے والوں کے وہ نام بھی ملاحظہ ہوں جن کا علم ہمیں اس مجموعے سے ہو رہا ہے۔ حضرت مظہرؒ نے سرحد کے محمد بشیر خان کے بارے میں خود صراحت کی ہے۔ کہ "از یارانِ حلقہ است و ہنوز از دائرۂ امکان بر نیامدہ"۔ حضرت مظہرؒ نے دہلی سے ملا نسیم کو جو مکتوب بھیجا ہے (مکتوب ۱۲) میں ہے کہ سید علی شاہ نے ذکرِ طریقہ عالیہ فقیر سے حاصل کیا ہے۔ وطن کا قصد کر رہے ہیں۔ پہنچنے پر التماس توجہ کریں تو دریغ نہ فرمائیں (ملخصاً)۔ مکتوب ۱۶ میں حضرت مظہرؒ نے سرحد کے ایک اور صاحب کا ذکر یوں کیا ہے۔

"نجابت نام جوانے روہیلہ از یاران حلقہ رخصت وطن گرفتہ رفتہ است"۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے مکتوبات بنام ملا نسیم میں بھی اس نوع کی معلومات موجود ہیں۔ چنانچہ ملا محمد حنیف، ملا زبردست، اور ملا سردار

کے ہدایہ اور مشکوٰۃ وغیرہ پڑھنے اور تحصیل نسبت باطنیہ
عالیہ حضرت مظہرؒ بنام ملا نسیم (مکتوب ۱۰۰) کے آخر میں ایک
شاہ علی کا بھی ہے۔ اور اس میں ملا نور محمد کے انتقال کی خبر کے علاوہ
کا سلام اشتیاق بھی ہے۔ یہ دونوں حضرات سرحد کے ہیں۔ ملا نسیم
والدہ ماجدہ کے مکتوب (۱۰۱) سے ملا خیر محمد کے بارے میں معلوم
کہ وہ بھی ملا نسیم کے ساتھ سرحد سے دہلی تحصیل نسبت باطنی کی غرض
پہنچے ہوئے تھے۔ نیز ملا نسیم کے خاندانیوں میں سے دو صاحبزادگان
کے ناموں کا علم ہوتا ہے یعنی صاحبزادہ محمد فیاض و صاحبزادہ میاں
محمد عتیق اور ان کے علاوہ میاں محمد درجات، محمد توکل، علی خیر
کا ذکر بھی ملتا ہے۔ محب اللہ اور عبد القدوس کے مکتوبات میں محمد
عبد القدوس، محمد شرف، محمد بصیر، عبد القدیر اخوند، ملا ولی محمد اخوند، ملا
ولی محمد اخوند، سید معتبر شاہ جیو، میاں نور محمد، ملا محمد نعیم، اخوند ملا سیف
ملا حاجی، میاں محمد کاظم، ملا رحمت، شاہ لطف اللہ خان، ملا جان محمد
ملا محمدی اور ملا عبد المقتدر کے نام آتے ہیں۔ علاوہ ازیں مکتوب ۱۰۳
میں جو محب اللہ و عبد القدوس کی طرف سے ملا نسیم کو لکھا گیا ہے یہ خبر
ملتی ہے کہ "چون دریں وقت مسموع گردید کہ طائر روح صاحبزادہ فضل ا
پنجرہ حواس را درہم شکستہ و بجناب قدس پرواز کردہ اند اصغائے
ایں معنی ایں جانب را حزن بسیار و اندوہ بے شمار روئے داد۔" صاحبزادہ
فضل احمد معصومیؒ کا ذکر پیشتر آچکا ہے۔ اس مکتوب سے پتہ چلتا

کہ ملا نسیم اور ان کے متوسلین، صاحبزادہ فضل اللہ سے تعلق خاطر رکھتے تھے۔ اسی مکتوب میں ملا شاہبت، سید غلام، حافظ کرم محمد کاشف اور ملا نصرت کا بھی ذکر ہے۔ ملا نسیم کے نام دیگر مکتوبات میں بھی کچھ نام سرحد کے اصحاب سلسلہ کے آتے ہیں۔ مثلاً اخوند نعمت خان، ملا قلندر اخون، سعد اللہ اور اخون محمد اعظم۔

میر مبین نے اپنے مکتوب (۳۸) میں ملا عبدالرحیم اور ملا نصری کا ذکر کیا ہے۔ اور مکتوبات ۳۹، ۴۰ میں ملا فیض اللہ، ملا عمر اور ملا صالح محمد کا مکتوب ۴۷ میں ملا نسیم کے ساتھ ملا قاسم خان کا بھی ذکر ملتا ہے۔ محمد حسن خان خانزادہ کے مکتوب (۵۲) میں ملا نسیم کے ساتھ اخون امان اللہ کا نام آتا ہے۔ یہ بھی سرحد ہی کے ہوں گے۔ ملا غازی محمد اور ملا بہار کا ذکر مکتوب ۱۴۸ میں ہے۔ مکتوب ۱۷۲ کسی حاجی عبدالخالق نے ملا فاروق کے نام لکھا ہے۔ یہ سرحد کے معلوم ہوتے ہیں۔ مکتوب غلام حسن بنام مولوی عبدالرزاق (۱۵۵) میں سرحد کے بعض اصحاب سلسلہ اور ان کے متوسلین کے نام، مقام کی صراحت کے ساتھ موجود ہیں، یعنی مولوی عبدالرزاق ساکن پشور (پشاور) گل محمد ساکن پشور در کوٹلہ رشید خان، غلام رسول پدر عمر در خانہ گل محمد صراف، امام مسجد گل محمد محمد عارف برادر کلاں، محمد کاشف ساکن ہشت نگر در محلہ پڑانگ، میاں مسعود پیرزادہ ساکن موضع ہوتی متصل گڑھی، ملا خواجہ محمد ساکن موضع

ہنڈیر کنارہ اباسند، محمد اکبر[1] ساکن ہشت نگر درمحلہ بابڑہ، ملا سیف الدین ساکن سوات خادم مرزا صاحبؒ، ملا تیمور باجوری خلیفہ مرزا صاحبؒ، استاد ملا رحمت موضع الہ ڈنڈ اور ملا نسیم کا ذکر یوں آیا ہے۔ "ملا نسیم خلیفہ مرزا صاحب ساکن سوات" اس زمانے میں اوج سوات میں شامل تھا، اسی لئے ملا نسیم کو ساکن سوات لکھا گیا ہے۔

ان اصحاب سرحد کے علاوہ، پنجاب کے کچھ اصحابِ سلسلہ کے نام سامنے آتے ہیں۔ یعنی محمد شاہ ولد غلام غوث بن قادر شاہ ساکن قصبہ بٹالہ[2] متصل کلانور، عبدالرسول ولد محمد شفیع نیز ساکن بٹالہ مزاپور، میاں

---

[2] بٹالہ کو کہیں "بٹالہ" اور کہیں "بتالہ" کی شکل میں لکھا گیا ہے۔ لیکن اسی مکتوب میں کوٹلہ کی ٹ کو اسی صورت میں لکھا ہے۔ جیسا کہ اب مروج ہے کہ یعنی کوٹلہ بٹالہ مذکور کے بارے میں مکتوب ۱۵۶ میں صراحت ہے کہ "متصل ہفت کردہ قصبۂ کلانور در پنجاب واقع است"

---

[1] محمد اکبر کا ذکر حضرت مظہرؒ نے مکتوب ۵۱ (کلمات طیبات) بنام مولوی عبدالرزاق میں کیا ہے اور انہیں یارانِ طریقت میں سے بتایا ہے۔ اس مکتوب حضرت مظہرؒ نے اپنی عمر ۸۰ سے متجاوز لکھی ہے۔ یعنی یہ مکتوب ۱۱۹۰ھ یا اس کے کچھ بعد کا ہوگا۔ اس وقت محمد اکبر تحصیل نسبت میں مشغول تھے۔ اور ان کا دائرہ امکان پورا ہو چکا تھا۔

عبدالنبی مرید حضرت غلام قادر شاہ ساکن بٹالہ مذکور، میاں غلام رسول ولد محمد شفیع ساکن بٹالہ مزبور ــــ غلام حسن نے مکتوب ۱۵۶ء میں یہ بھی بتایا ہے۔ کہ میاں عبدالنبی اور ولایت شاہ اور انہوں نے میاں غلام قادر شاہ مرحوم و مغفور سے بیعت کی تھی۔ وہ کسی محمد حسین پراچہ کا بھی ذکر کرتے ہیں

اصحاب سلسلہ سے متعلق حالات، حضرت مظہر کے حینِ حیات تک کے، بہت کچھ تو خود حضرتؒ کے مکتوبات شریف ہی میں آگئے ہیں۔ مقامات مظہری، جو حضرت مظہرؒ کی شہادت کے پندرہ سولہ برس بعد لکھی گئی ہے۔ حضرتؒ کے عہد کے علاوہ، بعد کے زمانے کے کچھ حالات اصحاب سلسلہ کے متعلق پیش کرتی ہے۔ مقامات میں تصریحات ملتی ہیں کہ اس وقت (۱۲۱۱ھ) تک خلفاء میں سے کون بقیدِ حیات تھے اور کون دارالبقا کو تشریف لے جا چکے تھے۔ حضرت مظہرؒ کے بعد کے زمانے کے بارے میں اس مجموعۂ مکتوبات سے بھی کچھ معلومات ملتی ہیں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے مکتوب (۱۷۴ء) بنام ملا نسیم میں اس نوع کی کئی اطلاعات ہیں کہ مولوی احمد اللہ اور محمد صبغۃ اللہ (پسران قاضی ثناء اللہ

۱؎ حضرت مظہرؒ کے خلیفہ شیخ غلام حسین تھانیسری کو بھی ان سے تعلق رہا ہے چنانچہ مقامات مظہری میں شیخ غلام حسین تھانیسری کے بیان میں آتا ہے کہ "در بلدۂ بتالہ (کذا) بملک پنجاب علم فقہ خواندہ اند و از خدمت شیخ غلام قادر شاہ قادری طریقۂ قادریہ گرفتہ (ص ۹۹)

پانی پتی ؒ) مدت ہوئی کہ رحلت کر چکے، محمد دلیل اللہ اور صفوۃ اللہ (پسر احمد اللہ مرحوم) حیات ہیں اور اہلیہ حضرت مظہر بھی حیات ہیں جو بیس سال سے پانی پت میں تھیں۔ مگر اب چھ ماہ سے دہلی میں ہیں۔ اور مرزا شاہ علی کی وفات کو بھی عرصہ ہوا، انہوں نے دو پسر چھوڑے، ایک میاں مداری جو پانی پت میں ان کے رقاضی ثناء اللہ پانی پتی کے احفاد) ہیں دوسرے میاں نظامی چھوٹے بیٹے مع اپنی والدہ کے۔ عظیم آباد پٹنہ میں اپنے خالو کے پاس ہیں اور بی بی امینہ دختر مرزا شاہ علی کا، مدت ہوئی کہ فوت کر دیا تھا، اور شاہ علی کے پسر خورد جو دوسری بیوی سے تھے۔ فوت ہو چکے اور ان کی والدہ بھی نہیں ہیں۔ یاران حلقہ میں سے میاں محمد مراد، مولوی غلام علی صاحب اور میاں عبدالباقی صاحب اور میاں محمد احسان صاحب بخیریت ہیں۔ میاں محمد احسان رام پور میں ہیں۔ اور دیگر صاحبان دہلی میں۔ مولوی غلام علی مسند ارشاد پر تشریف فرما ہیں۔ ایک عالم ان سے مستفیض ہو رہا ہے۔ مولوی محمد صدیق مدت ہوئی کہ رحلت کر گئے .....

اس مکتوب کے افراد مذکورہ میں سے احمد اللہ تو ۱۱۹۸ھ میں انتقال کر چکے تھے۔ اور مقامات مظہری کی تحریر کے وقت بھی اسی مکتوب کے مندرجہ کی سی کیفیت تھی کہ یاران حلقہ میں سے میاں محمد مراد اور مولوی غلام علی صاحب اور میاں عبدالباقی اور میاں محمد احسان حیات تھے۔ گویا یہ مکتوب ۱۲۱۱ھ کے لگ بھگ لکھا گیا ہوگا۔

مکتوب غلام حسن بنام قاسم (۱۹۱۶ء) سے بھی سلسلے کے کئی حضرات

ملا نسیم کو اول وہ یاد دلاتے ہیں کہ سید نور محمد
کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ ملا نسیم کو اول وہ یاد دلاتے ہیں کہ
قدس سرہٗ کے مزار فائض الانوار کی مرمت حضرت مظہرؒ کے فرمانے کے بموجب
دونوں (غلام حسن اور ملا نسیم) نے ملکر کی تھی۔ پھر وہ یہ بھی یاد دلاتے ہیں
کہ ـــــ مرزا صاحب کی سکونت اور حیات کے وقت ان کا مکان
خلد بنیان ایک سو اور کچھ روپیوں پر ہندوؤں کے ہاتھ گروی تھا۔
جب حضرتؒ نے اس دار الفنا سے رحلت فرمائی تو ان کی اہلیہ کے تقاضے کے مطابق
وہیں دفن کیا گیا۔[1] ارتحال کے بعد مریدوں اور خادموں کو ان مذکورہ

[1] حضرت مظہرؒ کے وصیت نامے، مشمولہ "معمولات مظہریہ" میں ہے: "پیش ازیں
روزے چند منکوحۂ من از من درخواستہ بود کہ تدبیر امور اخروی خود را ایراد ا و
گذارم و دریں باب خطے نوشتہ بہم تا بعد من مخلصان بہ او مخالفت نہ نمایند
در ہر جا کہ خواہد مرا بخاک سپارد و من ہم ایں معنی را باقرار زبانی قبول کردہ بودم
اما دراں ایام آں مستورہ قطعۂ زمینے در ملک خود نداشت، الحال یک منزل
حویلی خرید کردہ است و من بجان از آں بقعہ بیزارم۔ اگر خواہد کہ مرا در آں جا مدفون
سازد، بر دوستان فقیر بحکم حق دوستی واجب است کہ ہرگز نہ نمایند، بعد ازیں
در ہر جا کہ میسر آید مرضی او مرعی دارند و بیرون ترکمان دروازہ مناسب
تر است ۔۔۔" (ص ۱۴۵) مگر اس صریح ناپسندیدگی کے باوجود ہوا
وہی جو حضرتؒ نہ چاہتے تھے یعنی بقول غلام حسن ان کی اہلیہ کے تقاضے کے
مطابق وہیں دفن کیا گیا۔ حضرت مظہرؒ نے وصیت نامہ لکھ کر قاضی ثناء اللہ
پانی پتیؒ ہی کو دیا تھا اور وہ حضرتؒ کی شہادت کے وقت پانی پت ہی میں رہے۔

ہندوؤں نے مزار کی حاضری اور زیارت سے روکا اور کہا کہ یہ مقام ہمارے ہاتھ گروی ہے۔ جب تک حساب صاف نہ ہوگا زیارت نہیں کرنے دیں گے مخلصوں اور مریدوں کو پریشانی ہوئی تنگ آگئے۔ آخر الامر یہ ماجرا مولوی نعیم اللہ بہرائچی نے یورپ میں سنا تو بقدر وسعت و امکان رقم جمع کرکے اس طرف کو روانہ ہوگئے۔ یہ درویش (غلام حسن) ان ایام میں رام پور میں تھا۔[1] ہماری ملاقات ہوئی۔ کچھ رقم اسی درویش کے پاس تھی دی مولوی صاحب کے حوالے کی۔ مولوی صاحب نے دہلی آکر اس مکان سعادت انجام کو ہندوؤں سے خلاص کرایا اور کچھ حجروں اور لکڑیوں میں سے کچھ فروخت کرکے مرقد منور کو مرتب کیا ــــــ اسی سفر کے موقع پر نعیم اللہ بہرائچی نے معمولات مظہریہ کو قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کو پانی پت میں اور شاہ غلام علی و سید عبدالباقی و شاہ قطب الدین کو دہلی میں دکھا کر اطمینان کرنا چاہا تھا معمولات میں ان حضرات کی رائے بھی درج ہیں۔ گویا میر عبدالباقی اور شاہ قطب الدین ۱۲۰۵ھ تک حیات تھے۔ مقاماتِ مظہری کی تصنیف کے وقت میر عبدالباقی زندہ تھے۔ اور شاہ قطب الدین رحلت کر چکے تھے۔ یعنی شاہ قطب الدین کا انتقال ۱۲۰۵ھ اور ۱۳۱۱ھ کے مابین ہوا ہوگا۔ بہرکیف یہ ایک ضمنی ذکر تھا اور اب پھر اسی مکتوب (۱۹۱) کی طرف آئیے۔ اسی

---

[1] یعنی ۱۲۰۵ھ میں معمولات مظہریہ کے تکملہ میں صاحب معمولات نے صراحت کی ہے۔ سفر ۱۲۰۵ھ میں تعمیر مزار مبارک کے لئے کیا گیا تھا۔

مکتوب میں یہ بھی ہے۔ کہ ــــ العال بی بی (اہلیہ حضرت مظہرؒ) پانی پت میں اقامت رکھتی ہیں۔ چنانچہ مولوی ثناء اللہ دو روپیہ در ماہہ دیتے ہیں۔ اور ایک روپیہ ملا مراد دیتے ہیں۔ (مقامات مظہری سے بھی ظاہر ہے کہ اس وقت یعنی ۱۲۱۱ھ میں شیخ محمد مراد حیات تھے) پیر علی فوت ہو چکے ہیں۔ سنا ہوگا اور دو بیٹے ان کے تھے۔ ایک مداری نام کہ وہ شخص نا قابل اور دیوا طوار ہے، دوسرا بیٹا اپنی والدہ کے ساتھ یہاں سے تلاش معاش میں پورب کی طرف چلا گیا ہے۔ میاں عبد الحفیظ و میاں بہادر فوت ہو چکے ہیں حضرت مظہرؒ کے روضہ مقدس ہی میں تدفین ہوئی۔ محمد احسان رام کی طرف آ گئے تھے۔ نواب فیض اللہ خان نے مبلغ تین روپیہ دیئے تھے۔ پھر وہ پورب کی طرف چلے گئے تھے۔ اور یہ درویش (غلام حسن) قصبہ اوده میں سکونت رکھتا تھا۔ فرنگیوں اور مرہٹوں کی زد و تاخت کے سبب سے قصبہ مذکور خراب و تباہ ہو گیا۔ اس کے بعد اس درویش نے امروہہ سے نکل کر رام پور میں سکونت اختیار کر لی ــــ غلام حسن نے رام پور میں طریقہ مجددیہ کی ترویج میں جو حصہ لیا، اس کا بھی اجمالاً ذکر آ گیا ہے۔[1]

---

[1] رام پور طریقہ مجددیہ کی ترویج و اشاعت کا کچھ اندازہ تذکرہ کاملان رام پور سے بھی ہوتا ہے جس میں متعدد افراد کے احوال میں ان کے مجددی ہونے کی صراحت ملتی ہے چنانچہ، بلا ترتیب، محمد ابراہیم خاں عرف توشہ خاں، مولانا ولی النبی و رشید علی خاں شاہ ابو سعید، مولوی احسان حسین فاروقی مجددی، مولانا ارشاد حسین فاروقی مجددی

(باقی صفحے پر دیکھیے)

شاہ غلام علی کے بارے میں لکھا ہے۔ کہ کس قدر مرد قابل و ہوشیار ہیں اور
پچھران کا دوبارہ پہ چندہ روپیہ مقرر ہونے کی خبر ہے۔ غلام حسن نے یہ مکتوب
پشاور سے لکھا ہے۔ جب کہ وہ عارضی طور سے وطن آئے ہوئے تھے اور

شاہ احمد سعید مجددی، شاہ حسین فاروقی مجددی، مولانا [illegible] ([illegible])
مجددی اور ان کے تین صاحبزادے جن میں محمد مظہر صاحب مناقب احمدیہ بھی ہیں۔
حافظ احمد کبیر، شاہ محمد عمر مجذوب، غلام محی الدین، مولوی ارشد علی، قاضی دائم علی
سرہندی، مولوی ارشد علی، مولانا احمد حسین، حافظ عنایت اللہ، شیخ احمد حسین، ملا
مسلم اخون، مولوی نعمت علی، [illegible] حضرت مظہر، حافظ اکرام الدین احمد شاہ
معین الدین، شیخ امین احمد الظہر، مولوی جمال احمد مجددی، مولوی حبیب احمد [illegible]

میاں احمد علی شاہ نقشبندی، مولوی حبیب الرحمن خان، باز خان نبیرہ نواب
دوست خان، اخوند ملا [illegible] الدین، ملا امان اللہ، ملا جہان گیر، ملا حبیب اخوند گوی
مولوی شفیع احمد سرہندی، مولوی شفیق الرحمن سواتی [illegible]، ملا خواص، مولوی ریحان [illegible]
مولوی رشید النبی مجددی، ملا [illegible]، مولوی حبیب اللہ اخون سواتی، مولوی سراج احمد مجددی، میاں
سراج شاہ از سادات [illegible] ملا سراج، حافظ عباس علی امروہوی نقشبندی کے مرید مولانا سعد
خان، ملا سیف الدین باجوڑی (ان کا ذکر بتفصیل ہے اور صراحت ہے کہ یہ قاضی ثناء اللہ
پانی پتی کے شاگرد تھے) ملا سید احمد، ملا صدر الدین ولد ملا سراج، مولانا صفی القدر
شاہ ضیاء النبی مجددی، مولانا محمد الحسن مجددی، ملا حاجی باجوڑی، ملا عبد الرحمن
ملا عبد الرزاق، مولانا عبد الرشید مجددی، ملا کبیر اخوند زادہ محمد شاہ خان باجوڑی
[illegible] علاء الدین مجددی، مولانا [illegible] احمد مجددی، شاہ محمد عمر مجددی، حافظ محمد عنایت اللہ
([illegible])

شاہ غلام علی کے بارے میں لکھا ہے کہ کس قدر مردِ قابل و ہوشیار ہیں اور پھران کا درماہہ پندرہ روپیہ مقرر ہونے کی خبر ہے۔ غلام حسن نے یہ مکتوب پشاور سے لکھا ہے جبکہ وہ عارضی طور سے وطن آتے ہوئے تھے۔ اور کوٹلہ رشید خاں میں مقیم تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ خاصا معلومات افزا مکتوب لکھا ہے۔

اس مجموعے کے جملہ مکتوبات فارسی میں ہیں (بجز ایک کے، جو عربی میں لکھا گیا ہے۔) اور لگ بھگ ۷۰، ۱۱۷۵ھ سے لے کر ۱۲۳۱ھ تک کے درمیانی عرصے میں لکھے گئے ہیں۔ زیادہ تر حضرت مظہرؒ کے حینِ حیات (تا ۱۱۹۵ھ) کے ہیں۔ اور کچھ ۱۱۹۵ھ سے ۱۲۳۱ھ کے درمیانی عرصے کے بھی ہیں جب کہ دہلی میں شاہ غلام علی (م ۱۲۴۰ھ) مسندِ ارشاد پر متمکن تھے۔ ۷۰، ۱۱۷۵ھ کا زمانہ نواب ارشاد خاں کے آخرِ دورِ حیات کی رعایت سے متعین کیا جا سکتا ہے اور ۱۲۳۱ھ حضرت فضل احمد معصومیؒ کا سنہ وفات ہے جن کا ذکر مکتوب محب اللہ و عبدالقدوس بنام ملا نسیم (ص ۱۸۴) میں ہے۔ پھر ملا نسیم کا سنہ وفات بھی ۱۲۳۱ھ ہی ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۴) خاں بونیری مجددی، سوات کے کئی حضرات کے نام آتے ہیں جو غالباً اسی سلسلے کے ہوں گے۔ ملا نسیم کا بھی ذکر آتا ہے

سلسلے کے مکتوبات میں بعض ہم نام افراد کا ذکر آتا ہے محمد خاں نام کے
کئی اصحاب ہیں۔ جن کا ذکر آیا ہے۔ اور جن کا حضرت مظہرؒ سے تعلق ثابت ہے
اسی طرح غلام حسن نام کے دو حضرات ہیں۔ ایک غلام حسن جو غلام عسکری
خاں و محمد احسان احمدی کے بھائیوں سے ہیں۔ مقامات مظہری میں ان کا ذکر
"شیخ غلام حسن" کے نام سے ہے۔ یہ حضرت مظہرؒ کے خلفا میں سے ہیں
اور ۱۲۱۱ھ یعنی مقامات مظہری کے سنہ تصنیف سے قبل انتقال کر چکے
تھے۔ دوسرے غلام حسن پشاور کے ہیں جن کے پُر از معلومات مکتوب
کا ذکر پیشتر آچکا ہے اور جو امروہہ و رام پور میں رہے ہیں۔ اسی طرح، غلام نبی
بھی کم سے کم دو مختلف اشخاص کا نام تو ضرور ہے اور ممکن ہے کہ سرحد کے
اصحاب سلسلہ کے ذیل میں جن غلام نبی کا ذکر آتا ہے وہ ان دو میں سے نہ
ہوں۔ اس نام کے تیسرے شخص ہوں۔ علیٰ ہذا، محب اللہ (از متوسلین
ملا نسیمؒ) اور محب اللہ خاں (پسر دوندے خاں) کے ناموں میں بھی
التباس کی گنجائش ہے۔ عبدالرزاق نام کے بظاہر دو افراد معلوم ہوتے ہیں۔
ایک مولوی عبدالرزاق (مقیم پیلی بھیت) جن کے نام حضرت مظہرؒ کا ایک
کلمات طیبات میں ہے (مکتوب ۵۱) دوسرے وہ بزرگ جو سرحد سے
تعلق رکھتے ہیں۔ اور انہیں کہیں مولوی عبدالرزاق اور کہیں ملا عبدالرزاق لکھا
گیا ہے۔ مگر شاید وہ ایک ہی صاحب ہیں۔ حضرت مظہرؒ نے مولوی عبدالرزاق
(مقیم پیلی بھیت) کے سپرد ایک ایسے طالب کو کیا تھا۔ جو نصف دائرہ
امکان پورا کر چکے تھے۔ یعنی مولوی عبدالرزاق کو اجازت ارشاد حاصل تھی،

اور مقاماتِ مظہری میں جن ملّا عبدالرزاق کا ذکر ہے وہ بھی اجازت تعلیم و ارشاد یافتہ" تھے۔ اور خلفا میں سے تھے۔ ان کے بارے میں شاہ غلام علی نے بھی لکھا ہے کہ "در علم فقہ و اصول مہارتِ تام دارد" ناموں کی اس مشابہت سے عام قارئین کو کہیں کہیں دشواری پیش آسکتی ہے۔ مگر جن کی نظر سے مقاماتِ مظہری اور اس سلسلے کی دوسری کتابیں گذری ہیں۔ غالباً انہیں زیادہ دقت پیش نہ آئے گی۔ بہر کیف، ان کتابوں کی کم یابی اور ان سے عموماً لاعلمی کے پیش نظر اس نوع کی توضیحات و تشریحات وضاحتی نوٹوں میں (جو مکتوبات سے قبل درج ہیں۔) اور حواشی میں کر دی گئی ہیں۔

آخر میں عزیز گرامی ڈاکٹر نجم الاسلام صدیقی صاحب کا شکریہ ادا کرنا بے حد ضروری ہے جنہوں نے اس مجموعے کی ترتیب و تہذیب میں میری پوری اعانت فرمائی۔ اللہ پاک ان کو فائز المرام رکھے۔ آمین

فقط ـــــ والسلام

احقر ـــــ غلام مصطفےٰ خاں

استدراک

مکتوبات ۱۸۵، ۱۸۶ جو باب نہم میں شامل ہیں، غالباً حضرت مظہرؒ کے نام ہیں۔ اور ممکن ہے کہ مکتوب ۱۸۶ کے لکھنے والے [illegible] پیدا ہوں، جو بیان [illegible] حضرت مظہرؒ [illegible]

بیعت تھے۔ اور دہلی والے تھے۔ مگر اکبر آباد چلے گئے تھے۔ مکتوب ۱۸۶ میں "رسالہ فضل ذکر خفی" ملاحظہ فرما کر خط لکھنے پر مکتوب الیہ کے لئے کلمات تشکر ہیں۔ اور رسالے کے سبب تالیف کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جس سے اس مکتوب کا مکتوب ۹۵ (مجموعۂ ہذا) سے ربط ظاہر ہے۔ مکتوب ۹۵ میں، جو حضرت مظہر کے نام ہے۔ رسالہ در فضل ذکر خفی کا وہی سبب تالیف بیان کرنے کے بعد جیسے ہم مکتوب ۱۷۶ میں پاتے ہیں۔ یہ کہا گیا ہے " جزء اوّل بجناب عالی ارسال داشتہ، ملاحظہ نمودہ و اصلاح نمودہ عنایت فرمایند" اور غالباً حضرت مظہر کی طرف سے جوابی مکتوب ملنے کے بعد انہی صاحب نے حضرت کے نام وہ مکتوب لکھا ہے۔ جو اس مجموعے کا مکتوب ۱۸۶ ہے۔ وہ اس میں لکھتے ہیں کہ "سرفراز نامہ کہ مشتمل بر ملاحظہ فرمودنِ رسالۂ فضل ذکر خفی کہ مرقوم قلم فیض رقم گردیدہ بود، پرتو ورود فرمود" کلمات طیبات میں حضرت مظہر کا مکتوب ۱۱ ذکر جہر اور ذکر خفی میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت (دینے) کے مسئلے سے متعلق ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بہت خوب ہے۔ آخر میں یہ فقرہ بھی ہے کہ " وخیر الکلام ما قل و دل" جو رسالے پر تبصرے کا سا انداز لئے ہوئے ہے۔ نیز آغاز و اختتام کی عبارت کی شان بھی کچھ ایسی ہے کہ رسالۂ مذکورہ سے حضرت مظہر کے اس مکتوب کا تعلق ہو سکتا ہے۔ مگر کلماتِ طیبات کے اس مکتوب ۱۱ کا مکتوب الیہ بھی نامعلوم ہے۔ اور مکتوبات ۹۵، ۱۷۶ کے مکتوب نگار کی تعیین کے سلسلے میں اس سے بھی کوئی مدد نہیں ملتی۔ یہ عقیدہ رسالۂ مذکورہ سے دستیاب

ہونے یا اس سے متعلق مزید معلومات بہم دست ہونے پر ہی حل ہو سکتا ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشادِ رحیمیہ

ارشاد رحیمیہ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ آپ ۱۰۵۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی چار سال کی عمر میں قرآن پاک پڑھا اور دس سال کے تھے کہ اپنے بڑے بھائی ابو رضا محمد علیہ الرحمۃ (م ۱۱۰۱ھ) سے صرف و نحو، ادب، کلام، اصول معقول وغیرہ علوم کی تکمیل کر چکے تھے۔ پھر بارہ سال کی عمر میں مرزا محمد زاہد ہروی (م ۱۱۱۱ھ) سے حدیث و فقہ وغیرہ کی تکمیل آگرہ میں کی۔ مرزا صاحب کا سلسلۂ تلمذ، صاحبِ اخلاقِ جلالی (م ۹۲۸ھ) تک پہنچتا ہے، اسی لئے شاہ عبدالرحیم بھی اخلاقیات سے شغف رکھتے تھے۔ اور ارسطو کی حکمتِ نظری کے برعکس وہ حکمتِ عملی پر زور دیتے تھے۔ چنانچہ عقلِ معاد کی طرح عقلِ معاش اور آدابِ معاملہ پر خاص نظر تھی۔ قرآن پاک کا متن بھی تحقیق و تفہیم سے پڑھتے پڑھاتے تھے اسی لئے علما آپ کے خلاف تھے۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے ذوق کے کسی فن کی تطبیق قرآنی آیات سے کرنے

عادی نہ تھے۔

شاہ عبدالرحیم جب دس سال کے تھے۔ تو حضرت خواجہ ہاشم نقشبندی بخاری علیہ الرحمۃ نے دہلی میں آپ کو اسمِ ذات کے مراقبے کی تلقین فرمائی تھی۔ (صفحہ ۷۲) اور بارہ یا تیرہ سال کے تھے۔ جب حضرت زکریا علیہ السلام نے خواب میں یہی تلقین فرمائی تھی۔[۱] حضرت خواجہ عبداللہ و خواجہ خورد رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۷۴ھ) سے بھی آپ نے استفادہ کیا۔ لیکن انہی کے فرمانے پر آپ نے حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ (خلیفۂ امام ربانی قدس سرہٗ) کے خلیفہ حافظ فارکا سید عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے (صفحہ ۸) بیعت کی۔ لیکن "دراں ایام کہ اورنگ زیب در اکبر آباد بود، پیشِ مرزا زاہد ہروی محتسب لشکر تحصیل می کردم۔ بہ این تقریب ہمراہ والدِ خود بہ اکبر آباد رفتم و سید عبداللہ بہ سببِ مرافقت (عم خود) سید عبدالرحمٰن ہماں جا بودند۔ دراں محل ایشاں را عارضۂ مرضِ پیش آمد و برحمتِ حق پیوستند[۲]"، گویا بالکل ابتدائی ایام میں (غالباً ۱۰۶۸ء) میں سید عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ اس لئے شاہ صاحبؒ سلسلۂ قادریہ میں حضرت خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادی علیہ الرحمۃ سے بیعت ہوئے[۳] وہ توکل میں شدت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ شاہ عبدالرحیم کو ان کے ہم سبق شیخ حامد نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں کسی تنخواہ پر شریک کرنا چاہا تو خلیفہ صاحب نے سخت مخالفت کی۔ حالانکہ والدہ ماجدہ حمایت فرما رہی تھیں۔

---

۱ انفاس العارفین از حضرت شاہ ولی اللہؒ صفحہ ۵ (دہلی ۱۳۳۵ھ) ۲ ایضاً صفحہ ۱۴
۳ ایضاً صفحہ ۲

خلیفہ صاحب نے البتہ اکبر آباد میں سید عظمت چشتی (م ۱۰۸۹ھ)[۱] سے ملنے کے لئے فرمایا تھا۔ جن سے انہیں کچھ تبرکات حاصل ہوئے۔

نقشبندیہ سلوک، اس کے اذکار، مصطلحات اور توجہ وغیرہ کے متعلق یہ رسالہ مختصر ہونے کے باوجود بہت نافع اور جامع ہے۔ اسباق کی تفصیل نہیں ہے۔ اور اکثر بزرگوں نے اپنی تصانیف میں ایسا ہی کیا ہے۔ کیونکہ یہ چیز سفینے سے زیادہ شیخ کامل کے سینے سے حاصل ہوتی ہے۔ رسالے کے صفحہ ۵۰ پر صوفیہ کے ایک قول کو حدیث کہا ہے۔ اسے حدیث اولیا ہی سمجھنا چاہیے۔

یہ رسالہ مع ترجمہ بہت مدت ہوئی حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے نواسے سید ظہیر الدین (عرف سید احمد) نے دہلی سے شائع کیا تھا۔ ہم نے ترجمے میں ایک آدھ لفظ تبدیل کیا ہے۔ تاکہ یہ یادگار بھی باقی رہے۔ البتہ اشعار کا منظوم ترجمہ اب کیا گیا ہے اور اس میں ہمارے کاتب ذوق صاحب نے بھی کوشش کی ہے جو اہل شوق بھی ہیں۔ ترجمے کا پروف عزیز گرامی پروفیسر محمد احمد ہاشمی صاحب اور عزیزم انیس الدین انصاری صاحب نے دیکھا ہے۔ اللہ پاک ان سب کو جزائے خیر دے!

احقر غلام مصطفیٰ خان

---

[۱] ایضاً صفحہ ۲۸۔ الفرقان (بریلی) کے شاہ ولی اللہ نمبر سے بھی حالات میں مدد لی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اثبات النبوۃ

اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے نایاب رسالہ اثبات النبوۃ کو پہلی بار شائع کرنے سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔ اکبر ۹۹۴ھ سے ۱۰۰۷ھ تک لاہور میں رہا اور اس سے پہلے وہ آگرہ میں تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ (۹۷۱ھ ۔ ۱۰۳۴ھ) قریب ۲۰، ۲۲ سال کی عمر میں آگرہ تشریف لے گئے تھے۔ وہیں فیضی اپنی بے نقط تفسیر سواطع الالہام لکھ رہا تھا۔ جس کے لئے حضرت علیہ الرحمۃ نے برجستہ ایک بے نقط عبارت مرحمت[1] فرمائی تھی۔ وہ تفسیر نظر ثانی کے بعد (بدایونی[2] ص۳۸۹) ۱۰۰۲ھ میں مکمل ہوئی۔ ابو الفضل اور فیضی بلکہ ان کے باپ ملا ناگوری کی وجہ سے دین اور پھر "نبوت" پر اعتراضات ۹۸۷ھ (بدایونی ص۳۲۵) شروع ہو چکے تھے۔ اور "بے دین مصنفین نے اپنی تصانیف سے نعت خارج کر دی تھی"۔ انہی ایام میں ابو الفضل نے حضرت مجدد[3] الف ثانی علیہ الرحمۃ موجودگی میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو "نامعقول" کہا تھا۔ اور آپ نے

۱؎ زبدۃ المقامات از مولانا ہاشم کشمیؒ مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۷ھ ص ۱۳۲

ع۲؎ تاریخ بدایونی مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۸۹ء (العد میں بھی اسی ایڈیشن کے صفحات دیئے جا

۳؎ زبدۃ المقامات ص۱۳۱، ص۱۳۲

ہو گئے تھے۔ علمائے حق کا انخلاء یا قتل ۹۹۰ھ سے شروع کر دیا گیا تھا (بدایونی ۳۲۹، ۳۴۱، ۳۶۱) انہی "فتنہائے امت" (۹۸۷ھ) کا ذکر رسالہ اثبات النبوۃ (ص ۶-۷) میں بھی ہے۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ یہ رسالہ ۹۹۰ھ کے قریب لکھا گیا ہوگا۔ اب ذرا ان فتنوں کا جائزہ بھی لے لیجیے تاکہ مجدد علیہ الرحمۃ کی دینی خدمات کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ بدایونی نے اپنی تاریخ میں ۱۰۰۴ھ تک کے حالات لکھے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اکبر "طالب حق" تھا۔ لیکن غلط قسم کے علماء اور صوفیہ سے واسطہ رہا۔ اس لئے اسے اسلام سے ضد پیدا ہو گئی تھی۔ (ص ۳۱۸)۔ گجرات کے صدر ابراہیم نے بادشاہ کو جو تحائف بھیجے تھے۔ ان میں ابن العربی علیہ الرحمۃ سے منسوب ایک جعلی عبارت بھی تھی۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ "صاحب زماں" کے پاس بہت سی عورتیں ہوں گی اور وہ ڈاڑھی منڈا ہوگا (ص ۳۲۲)۔ کوئی خواجہ شیرازی تھے جو مکہ معظمہ سے ایک جعلی رسالہ "مہدی" کے ظہور سے متعلق لائے تھے (ص ۳۲۲)۔ ایک شیعی عالم شریف عاملی نے "تجۃ دین حق" کے اعداد (۱۰۰۹ھ) سے اسی پیشگوئی کی تصریح کی تھی (ص ۳۴۳) ملا مبارک ناگوری (پدر فیضی و ابو الفضل) اس سے پہلے ہی ایک محضر نامہ ۹۸۷ھ میں تیار کر چکے تھے۔ جس میں اکبر کو درجۂ اجتہاد پر فائز بتایا تھا اور فیضی نے فارسی اشعار میں خطبۂ جمعہ تیار کیا تھا۔ (ص ۳۲۵) اور اکبر کو "خلیفۃ الزماں" قرار دیا تھا۔ نماز، روزہ اور شعائر اسلام کو "تقلیدات"

---

[۱] تاریخ بدایونی ص ۳۲۷۔ ص ۵ اسی عمر میں رد شیعہ وغیرہ رسائل بھی آپ لکھ چکے تھے۔
ملاحظہ ہو زبدۃ المقامات ص ۱۳۱

یعنی "عقل" کے خلاف سمجھا گیا۔ (ص۲۹۷) اور اس "عقل" نے وہ جوہر دکھا
کہ ابوالفضل کی نگرانی میں محل کے اندر عبادت کے لئے ایک آتش خانہ بنا
ہوا (ص۳۳۱) نصاریٰ کی طرح ناقوس، صورتِ تثلیث اور ان کی تفریحیں اکبر
کا وظیفہ تھیں۔ (ص۳۴۳) راجاؤں کی لڑکیوں کو تصرف میں لانے کی وجہ سے
خود اس کے مزاج پر ان کو تصرف حاصل تھا (ص۳۴۲) چنانچہ برہما، مہادیو
بشن، کشن، مہامائی وغیرہ کی تعظیم کی جاتی۔ (ص۳۱۹) سورج کی عبادت د
میں چار مرتبہ کی جاتی، سورج کے ایک ہزار ایک نام کی مالا جپی جاتی (قشقہ
لگایا جاتا۔ آگ، پانی، درخت اور تمام مظاہر فطرت حتیٰ کہ گائے اور اس
کے گوبر کی پوجا خود بادشاہ کرتا (ص۳۵۳) ۔جنیز پر کو (معاذ اللہ) خدا کے
حلول کا مظہر جانتا (ص۳۴۳) گائے کا گوشت حرام (ص۳۴۲) اور خنزیر او
شیر کا گوشت مباح قرار دیا۔ (ص۳۴۳) سود، شراب اور جوا حلال سمج
گیا۔ (ص۳۴۰) اور شراب فروشوں کی نسل سے ایک عورت کے زیر اہتم
ایک سرکاری شراب خانہ کھولا گیا۔ (ص۳۴۳) ڈاڑھی کی درگت بنائی گئی
(ص۳۴۲) اور درباریوں نے بڑے اہتمام سے ڈاڑھیاں منڈائیں (ص۳۴۲)
غسل جنابت فضول سمجھا گیا۔ (ص۳۴۳) سولہ سال سے پہلے لڑکوں کا
اور چودہ سال سے پہلے لڑکیوں کا نکاح ناجائز قرار دیا گیا (ص۳۴۴)
جوان عورتوں کو منہ کھول کر چلنے کا حکم دیا گیا۔ اور بدکاری کے اڈے
قائم کئے گئے۔ (ص۳۱۴) ختنہ کرانے کی عمر بارہ سال کے بعد رکھی گئی
(ص۳۰۸) مردے کو پانی میں ڈالنے یا جلانے یا درخت سے باندھ دینے کا

نیز قبلہ کی طرف مردے کے پاؤں رکھے جانے کا حکم ہوا
جاری ہوا۔ (صفحہ ۳۸۸) اور بادشاہ بھی قبلہ کی طرف پاؤں کر کے سوتا تھا۔ (صفحہ ۳۱۷) خود کو سجدہ
کراتا تھا۔ (صفحہ ۳۲۰) اسلام کی سند پر خنزیر اور کتے کے ناپاک ہونے کا
مسئلہ منسوخ کیا تھا۔ اور شاہی محل کے نیچے یہ دونوں جانور زیارت کے لئے
رکھے گئے۔ کہ ان کا دیکھنا بھی عبادت تھا (صفحہ ۳۱۳) جو قصاب کسی شخص
کے ساتھ کھانا کھاتا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا اور اگر اس کی بیوی ساتھ
کھاتی تو اس کی انگلیاں بھی تراش دی جاتیں۔ (صفحہ ۳۸۰) تناسخ پر یقین
کیا گیا۔ (صفحہ ۳۰۷) عربی پڑھنا عیب سمجھا گیا۔ (صفحہ ۳۲۴) اور طلائی یا
ریشمی کپڑے پہننا فرض عین قرار دیا گیا۔ (صفحہ ۳۰۲) ابوالفضل کے سامنے
اگر آئمہ مجتہدین کا قول پیش کیا جاتا تو وہ کہتا کہ تم فلاں حلوائی، فلاں کفش
دوز اور فلاں چرم ساز کا قول پیش کرتے ہو۔؟ (صفحہ ۲۹۲) صحابہ کرام
رضی اللہ عنہم اور فدک یا صفین کے قضیے کے متعلق بات ہوتی تو ایسے سخت
الفاظ کہے جاتے کہ بقول بدایونی "گوش از استماع آں کر باد" (صفحہ ۳۰۵)
قرآن کو مخلوق، وحی کو محال، معراج اور شق القمر کو غلط کہا گیا (صفحہ ۳۱۹)
احمد، محمد، مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے مقدس نام تبدیل کئے جانے لگے۔
(صفحہ ۳۱۸) ہندو تو ہندو ہی تھے۔ ہندو مزاج مسلمان بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
کی نبوت کے منکر ہو گئے اور عیسائی ملعونوں نے دجال کی صفات کو ہمارے
آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈھالنا شروع کر دیا۔ لیکن اکبر کی پیشانی پر بل بھی نہیں پڑا
(صفحہ ۳۲۱) شاید تاریخ اسلام کا یہ سب سے بڑا سانحہ ہے۔ پھر ابوالفضل کا

ایک بھائی جو اس کا شاگرد تھا۔ عبادات اسلامیہ کے خلاف رسائل لکھ کر بہت
مقبول و متمتع ہوا۔ (صـ ۳۲۱) بعض شاعروں کی طرح فیضی بھی کتوں کی زبان اپنے
منہ میں لیتا اور ان کے ساتھ کھانا کھاتا۔ (صـ ۳۲۳) غرور، تکبر اس کے مزاج میں اتنا
تھا۔ کہ صحابۂ کرام اور سلف صالحین (رضی اللہ عنہم) پر طعن اور دین کی اہانت
کرتا تھا۔ عین مستی اور جنابت کی حالت میں تفسیر سواطع الالہام لکھتا تھا (صـ ۵۱۵)
چنانچہ نزع کے وقت کتے کی طرح بھونکتا تھا۔ (صـ ۵۱۵[1]) ان خباثتوں کی وجہ سے
۵۰۔۶۰ سال میں اسلام کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا (صـ ۳۱۹) اور ساری مسجدیں
ہندوؤں کے فراش خانے اور چوکی خانے ہوگئے (صـ ۳۵۲)

ایسے حالات میں بھی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے خان خاناں
صدر جہاں، خان اعظم، خان جہاں، مہابت خان، تربیت خان، اسلام خان
دریا خان، سکندر خان، مرتضیٰ خان جیسے امرا کو اپنے حلقۂ ارادت و عقیدت

---

[1] بدایونی نے فیضی کے مرنے کی بہت سی تاریخیں نقل کی ہیں (صـ ۵۱۵) مثلاً

فیضیِ نجس، دشمنِ نبوی — رفت و با خویش داغِ لعنت بُرد
سگکے بود و دوزخی زاں شد — سال فوتش "چہ سگ پرستے مُرد" ۱۰۰۴ھ

بدایونی نے یہ بھی لکھا ہے کہ لوگوں کے کہنے سننے سے فیضی نے نل دمن میں نعتیہ اشعار
شامل کئے تھے۔ ابو الفضل کے قتل کی تاریخ بھی تذکرہ سرخوش (لاہور ۱۹۴۲ء)
(صـ ۱۲۱) میں اسی قسم کی ہے۔ یعنی:-

ع تیغ اعجاز رسول اللہ سر باغی برد = ۱۰۱۱ھ)

میں داخل کرکے بادشاہ کی توجہ دین کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی۔ بالآخر جہانگیر نہ صرف معتقد ہوا بلکہ اپنے بیٹے خرم (شاہجہاں) کو حضرت علیہ الرحمہ سے بیعت کرایا۔ سجدہ تعظیمی موقوف ہوا۔ گائے کا ذبیحہ پھر شروع ہوا۔ جو مسجدیں منہدم کرادی گئی تھیں۔ وہ دوبارہ تعمیر ہوئیں اور جس قدر خلاف شرع، قوانین رائج تھے وہ سب منسوخ ہوئے۔ فن مصوری جو عہدِ جہانگیری میں بام عروج کو پہنچا ہوا تھا وہ فنِ تعمیر اور فن خطاطی کی طرف منتقل ہوا۔ شاہجہاں کے علاوہ اورنگزیب بھی حضرت علیہ الرحمہ کے خاندان کی تربیت سے مستفید ہوا اور اس کے عہد میں فقہ کی سب سے بڑی کتاب فتاویٰ عالمگیری مرتب ہوئی۔ دربار میں علماء اور فضلاء کو جگہ ملی۔ پھر حضرت علیہ الرحمہ کے شاگردانِ سلسلہ میں شاہ ولی اللہ دہلوی[1] حضرت مظہر جانِ جاناں، شاہ غلام علی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا خالد رومی، صاحبِ فتاویٰ شامی، شاہ عبدالغنی مجددی (جن کے شاگرد مولانا رشید احمد گنگوہی مولانا محمد قاسم نانوتوی، محمد مظہر سہارنپوری) اور بانیانِ مدرسہ ہائے دیوبند و بریلی (علیہم الرحمہ والغفران) وغیرہ پیدا ہوئے۔ پھر ان کے اسباط و اخلاف نے وہ خدمات انجام دیں۔ کہ آج بھی کسی حکمران طبقے کی مجال نہیں کہ وہ عہدِ اکبری کے فتنوں کو دوبارہ رائج کر سکے۔ ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں کی دینی حالت دوسرے بلادِ اسلامیہ کے مسلمانوں کے مقابلے میں غنیمت ہے۔ وہ بھی اسی فیض کی غمازی

---

[1] نقشبندی مجددی ہونے کے علاوہ شاہ ولی اللہ کی سندِ حدیث طاہر مکی سے بھی ہے
... ملاحظہ ہو القول الجمیل

کرتی ہے۔ پھر دین سے متعلق جتنے مسائل سنہ ۱۰۰۰ھ سے آج تک کھڑے ہوئے ہیں۔ اور آئندہ بھی دوسرے ہزارہ کے اختتام تک (اگر دنیا قائم رہی) کھڑے ہونگے۔ ان سب کا حل صراحۃً یا کنایۃً مکتوبات شریف میں موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر آپ کے مجدد الف ثانی ہونے کا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔؟

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے۔ رسالہ اثبات النبوۃ (تحقیق النبوۃ) آگرہ میں لکھا گیا ہوگیا۔ اس کے نسخے بھی بہت کم یاب ہیں۔ خانقاہ سراجیہ، کندیاں۔ (ضلع میانوالی) سے مکرمی مولوی جمیل الدین احمد صاحب نے ۳ محرم سنہ ۱۳۴۲ھ والے نسخے کی نقل مرحمت فرمائی۔ خانقاہِ مظہریہ، دہلی سے حضرت مولانا زید الحسن فاروقی مجددی مدظلہٗ نے سنہ ۱۲۶۶ھ والے نسخے کی نقل عنایت فرمائی۔ پھر مخدومی قبلہ حاجی محمد اعلیٰ صاحب نے محترم ڈاکٹر غلام محمد صاحب کے توسط سے حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ (ٹنڈو سائیں داد) سے بھی ایک نسخہ حاصل کیا۔ جو خان محمد تالپر کا لکھا ہوا غالباً تیرہویں صدی ہجری کا ہے۔ لیکن ان تینوں نسخوں میں آخری مقالہ نہیں ہے۔ اسی لئے فی الحال متن کے حواشی میں اختلافِ قرأت ظاہر نہیں کیا۔ محترم مولانا ابو الفتح صغیر الدین صاحب نے شروع سے آخر تک ہر قدم پر بہت زیادہ مدد فرمائی۔ مولانا عبد الحلیم چشتی، مفتی محمد مظہر بقا صاحب اور خصوصیت سے مولانا سراج احمد صاحب نے تصحیح و تعلیق میں بڑی مدد فرمائی۔ قبلہ حاجی محمد اعلیٰ صاحب نے دامے، درمے، سخنے بلکہ قلمے بھی مدد فرمائی۔ اللہ پاک ان سب حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

والسلام:- احقر:- غلام مصطفیٰ خاں
ایم اے، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ
صدر شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی

(۱۷، رمضان المبارک سنہ ۱۳۰۶ھ)

حضرتِ مجددِ الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک تحقیقی جائزہ

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ کی بعض تصانیف ہنوز شائع نہیں ہوئیں
ن تصانیف میں ایک عربی رسالہ اثبات النبوہ بھی شامل ہے۔ جس کی اشاعت
ع ترجمہ کی سعادت پارسال حاصل ہوچکی ہے۔ جب اس رسالے کا مقدمہ
ھنے کا ارادہ ہوا تو محض اتفاق سے ایک فاضل معروف کی ایک کتاب کا تیسرا
یڈیشن نظر سے گزرا۔ جس میں انہوں نے اکبر بادشاہ (۹۶۳ھ ـــ ۱۰۱۴ھ)
ور اس کے ہم نشین فیضی (م ۱۰۰۴ھ) اور ـــ ابوالفضل (م ۱۰۱۱ھ) کو
ن کی "مصلحت پسندی" اور "ترک شعائر اسلام" (جس کا نام "تقلید سے بیزاری"
ور "عقل سے نزدیکی" قرار دیا گیا ہے) کی وجہ سے سراہا ہے۔ اور اس کے
برعکس حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اور ان کے ہم خیال "جلالی رنگ" والے
حضرات کی تنقید یا تنقیص میں بڑا زور صرف کیا ہے۔ بلکہ اس کتاب کے دیباچے
سے لیکر کئی سو صفحات تک انہوں نے کوئی دقیقہ اس تنقیص میں فروگذاشت
نہیں کیا۔ اس "کرم نوازی" کی وجہ سے راقم الحروف نے ایک حقیر جوابی عرضداشت
تیار کی، جو رسالہ بینات (کراچی) کے تین شماروں میں (مئی، جون، جولائی ۱۹۶۲ء)
"حضرت مجدد الف ثانی پر حرف گیری کا جائزہ" کے نام سے شائع ہوچکی ہے۔

بحمد اللہ فاضل محترم نے اس حقیر کی معروضات پر توجہ فرمائی۔ اور سنا ہے کہ اپنی کتاب کے آئندہ ایڈیشن سے تمام قابلِ اعتراض مقامات خارج کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس خبر سے دلی مسرت حاصل ہوئی۔ چنانچہ فاضل محترم کی خدمت میں مبارک باد پیش کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

ع این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ہندوستان اور پاکستان کے بعض احباب کا اصرار ہے کہ یہ عرضداشت کتابی صورت میں بھی شائع کر دی جائے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو سکے۔ اس لئے محض تعمیلِ ارشاد کی خاطر اس کی اشاعت کی جا رہی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اسْتُرْنَا بِسَتْرِكَ الْجَمِیْلِ :

مکاشفاتِ عینیہ

الله پاک کا بے حد شکر و احسان ہے۔ کہ حضرتِ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ (م ۱۰۳۴ھ) کی غیر مطبوعہ اور نایاب تصانیف کی اشاعت کی سعادت ادارہ مجددیہ (ناظم آباد ۳۔ کراچی) کو حاصل ہو رہی ہے۔ چنانچہ رسالہ اثبات النبوۃ (عربی) اور رسالہ تہلیلیہ (عربی) کی طباعت کے بعد اب ایک اور نورہ رسالہ مکاشفاتِ عینیہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس رسالے کے مرتب حضرت مولانا محمد ہاشم کشمی ثم برہانپوری

علیہ الرحمہ (صاحبِ زبدۃ المقامات) نے آغاز ہی میں لکھا ہے۔ کہ یہ مجموعہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے ایسے مسودات پر مشتمل ہے جو بعض اخلفا حضرات نے محفوظ کر لئے تھے۔ اور گو کہ اس کے بعض مضامین حضرت قدس سرہٗ کے مکتوبات شریفہ اور رسائل وقیعہ میں بھی آچکے تھے۔ لیکن تمام وکمال ان کا مرتب کرنا از بس ضروری تھا۔ چنانچہ اب ان کو پہلی بار اہلِ علم حضرات سے روشناس کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اللہ پاک ہمارے اس ارادے اور ادارے کی یہ سعی بھی مشکور فرما لے اور ہمارے لئے اسے وسیلۂ سعادتِ اخروی بنا دے۔ آمین۔

یہ رسالہ حضرت مخدومنا ومولانا حافظ محمد ہاشم جان مجددی سرہندی مدظلہٗ (ٹنڈو سائیں داد۔ سندھ) کے کتب خانے میں موجود تھا۔ حضرت نے بڑی شفقت سے مخدومی قبلہ حاجی محمد اعلیٰ صاحب کو اس کی نقل کی اجازت مرحمت فرمائی پھر اللہ پاک نے اپنے خاص فضل وکرم سے یہ موقع نصیب فرمایا کہ مدینہ منورہ میں رباطِ مظہریہ کے مجموعۂ رسائل مجددیہ رضؓ سے اس نقل کی تطبیق کرلی گئی۔ اور اس مجموعے سے بڑی مدد ملی۔ تصحیح وترجمہ کے سلسلے میں ہمارے پیر بھائی حضرت مولانا ابوالفتح صغیرالدین (استادِ سندھ یونی ورسٹی) نے بڑا کرم فرمایا۔ اللہ پاک ان سب حضرات کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

اس رسالے کا نام اکثر کتابوں میں مکاشفاتِ غیبیہ درج ہے لیکن موجودہ نسخے میں (صفحہ ۶-۶۶) اس کا نام مکاشفاتِ عینیہ آتا ہے۔ چونکہ رسالے کے مرتب حضرت ہاشم کشمی علیہ الرحمہ (صفحہ ۱۵) اپنے مرتب کردہ ہر

مجموعے کو تاریخی نام دینے کے عادی ہیں ۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ اس رسالے کا نام بھی تاریخی رہا ہوگا ۔ یعنی مکاشفاتِ عینیہ مجددیہ = ۱۰۵۳ھ (کیونکہ رسالے کے شروع میں (صفحہ ۵) میں انہوں نے آغاز ترتیب کا سال ۱۰۵۱ھ بھی دیا ہے اور ظاہر ہے کہ تکمیل میں وقت لگا ہوگا ۔

وَاٰخِرُ دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین

ع حقر ۔ غلام مصطفٰے خان
ایم اے، ایل ایل، بی، پی ایچ ڈی ڈلٹ
صدر شعبہ اردو ۔ سندھ یونی ورسٹی
حیدر آباد

جمعہ ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۸۲ھ

تہلیلیہ

اللہ پاک کا بے انتہا شکر و احسان ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ کے عربی رسالہ اثبات النبوۃ کی اشاعت کے بعد اب ان کے دوسرے نادر اور غیر مطبوعہ عربی رسالہ تہلیلیہ کو پہلی بار ترتیب دینے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے ۔

تہلیل کے معنٰی ہیں لا الٰہ الا اللّٰہ کہنا ۔ یہ رسالہ اسی کلمۂ طیبہ سے متعلق ہے ۔ جس کے لئے قرآن پاک میں آیا ہے ۔ الیہ یصعد الکلم الطیّب

اسی کی طرف کلمۂ طیبہ بلند ہوتا ہے۔ مفسرین کے نزدیک الکلم الطیب سے
مراد کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ ہے۔ پھر دوسری جگہ آتا ہے کہ کلمۂ طیبہ
کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء تؤتی اکلہا کل حین
باذن ربہا (کلمہ طیبہ اس پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ زمین کے اندر
خوب جمی ہوئی ہو اور اس کی شاخ آسمان پر جا رہی ہو اور وہ درخت خدا
کے حکم سے ہر فصل میں اپنا پھل دیتا ہو) گویا کلمہ طیبہ کے درخت کی جڑ
مومن کا اعتقاد ہے۔ جو اس کے قلب میں بڑی پختگی اور مضبوطی کے ساتھ
جاگزیں ہے۔ اور اس کی شاخیں وہ اعمالِ صالحہ ہیں جو ہمہ وقت رضائے الٰہی
کے ثمرات مہیا کرتے ہیں۔ آگے چل کر قرآن پاک میں یوں بھی آتا ہے۔ کہ
یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ
(اللہ پاک ایمان والوں کو اس پکی بات سے دنیا اور آخرت میں بھی دین و
ایمان میں ثابت قدم رکھتا ہے۔) گویا ثبات و استقامت کا ذریعہ بھی
کلمۂ طیبہ ہے جس نے مکی زندگی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے
تابعین (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے لئے سخت سے سخت مصائب کو
بھی کو فرح انگیز اور لذت آمیز بنا دیا۔ یعنی — ع

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ "کسی پیغمبر کو اس قدر اذیتیں
نہیں پہنچائی گئیں۔ جس قدر مجھے دی گئی ہیں"
حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اس رسالہ میں کلمہ طیبہ ہی سے متعلق

مندرجہ ذیل امور سے بحث کی ہے۔ یعنی لفظ "اللہ" کی تحقیق، لفظ "اللہ" کے لطائف، دلیلِ توحید، فلاسفہ کی دلیل، قرآن و سنت کی روشنی میں کلمۂ توحید کے فضائل، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے دلائل و معجزات وغیرہ۔ ایسی بحث دوسرے بزرگوں کے یہاں بھی آجاتی ہے لیکن امام موصوف (علیہ الرحمہ) نے اپنے زمانے کے جابرانہ اور کافرانہ نظام کے خلاف نہ صرف نظری بلکہ عملی طور پر بھی اعلائے کلمۃ الحق فرماکر "دار و رسن" کی اذیتیں جھیلی ہیں۔ اس لئے یہ رسالہ علمی اور تاریخی اعتبار سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔

اس رسالے میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے عربی رسالہ "اثبات النبوۃ" کا ذکر بھی کیا ہے۔ صـ ۳۸۔ اور ایک جگہ اپنے والد ماجد حضرت خواجہ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۰۷ھ) کے رسالہ "کنز الحقائق" کا اقتباس بھی دیا ہے (صـ ۲۶) اور ان کے نام کے ساتھ "قدس سرہ العزیز" تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ موجودہ رسالہ "تہلیلیہ" ۱۰۰۷ھ کے بعد کی تصنیف ہے۔ ۲؎

۲؎ راقم الحروف نے محض اندازے سے اس کا تاریخی نام "معارف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" (۱۰۱۰ھ) بنا دیا ہے۔

۱؎ حضرت قدس سرہٗ نے یہ بحث معارف لدنیہ اور مکتوبات شریفہ (نمبر ۱۶۷ جلد ۱) نمبر ۹ جلد ۲ وغیرہ بھی کی ہے۔

تشکر حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ (ٹنڈو سائیں داد۔ سندھ) کے مجموعۂ رسائل سے یہ رسالہ بھی نقل کیا گیا تھا۔ پھر اس کی تطبیق رباطِ مظہریہ (مدینہ طیبہ) کے نسخے سے کی گئی پھر مخدومی قبلہ حاجی محمد اعلیٰ صاحب نے حضرت مولانا مخدومنا محمد صادق صاحب مجددی کابلی مدظلہ سابق سفیر افغانستان برائے مصر و حجاز کے قلمی نسخے سے بھی مدینہ طیبہ میں اسکی تطبیق کی اور حضرت موصوف نے ازراہِ شفقت اس کے متن کی تصحیح فرمائی۔ پھر حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحب مہاجر مدنی مدظلہ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ نے بھی اس پر ایک نظر ڈالی۔ اور مکرمی جناب مولانا حافظ رشید احمد صاحب ارشد (استاد۔ کراچی یونیورسٹی) نے اس کا بامحاورہ سلیس ترجمہ فرمایا۔

اللہ پاک ان سب حضرات کو جزائے خیر اور اجر عظیم عطا فرمائے

آمین :۔

گذارش مخدومی قبلہ حاجی محمد اعلیٰ صاحب کی کوشش سے بحمداللہ "ادارہ مجددیہ" (ناظم آباد ۳ کراچی ۱۸) قائم کیا گیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اور ان کے متوسلین کی تصانیف محض رضائے الٰہی کے لئے شائع کی جائے اور ان کا ہدیہ کم سے کم رکھا جائے جن حضرات کے پاس ان بزرگوں کی قلمی اور غیر مطبوعہ تصانیف ہوں ان سے درخواست ہے کہ وہ ہم کو قیمتاً یا عاریتاً

عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔ اور عند اللہ ماجور ہوں۔ نیز اہل فضل حضرات کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے آگاہ فرمائیں۔ والسلام

احقر۔ غلام مصطفیٰ خاں

ایم اے، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ

صدر شعبۂ اردو۔ سندھ یونیورسٹی

حیدر آباد

یک شنبہ ۲۵ شوال ۱۳۸۴ھ

انتخاب مکتوبات ربانی

امام ربانی قدس سرہٗ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بحمد اللہ پروفیسر علی نواز جتوئی صاحب کے ایما اور تعاون سے حضرت مولانا ہدایت علی صاحب جیپوری علیہ الرحمۃ کے اس انتخاب کو پہلی بار ۱۹۶۱ء میں شائع کیا گیا تھا۔ اور لوگوں کے عام استفادے کے خیال سے لاگت سے کم قیمت پر اس کے نسخے پیش کئے گئے تھے۔ اب دوبارہ اس کی اشاعت کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔ جس کے لئے محترم محمد سکندر صاحب نے چار صد روپے اور محترم محمد صادق صاحب نے ایک سو گیارہ روپے مرحمت فرمائے ہیں۔ جزاہم اللہ فی الدارین۔ احقر غلام مصطفیٰ خاں

سندھ یونیورسٹی حیدر آباد ۲۸ اکتوبر ۱۹۶۳ء

وصالِ احمدی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام ربانی مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ کی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام سے متعلق ان کے خلیفۂ برحق حضرت مولانا شیخ محمد بدرالدین (ابن شیخ ابراہیم) سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (صاحبِ حضرات القدس وغیرہ) نے ایک مختصر فارسی رسالہ موسومہ "وصالِ احمدی رح" مرتب فرمایا تھا۔ اس میں چشم دید حالات اور واقعات درج ہیں۔ جو تاریخی اعتبار سے بھی بہت اہم ہیں۔

حضرت شاہ احمد دہلوی مہاجرِ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت ولی النبی مجددی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان کے خلیفہ مولانا محمد اعزازالدین احمد ابن مولوی محمد ظہورالدین احمد المعروف ظہورِ عالم صدیقی مجددی رح رام پوری نے یہ رسالہ ۱۳۱۶ھ میں اردو ترجمے کے ساتھ مطبع مطلع العلوم مرادآباد سے شائع کیا تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ متن کے ساتھ اس بلند پایہ بزرگ کا بہ ترجمہ بھی من وعن محفوظ کر لیا جائے۔ چنانچہ اس "مجمع البحرین" کی اشاعت کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔ اللہ پاک اسے مقبول و منظور فرما کر قارئین کو مستفید ہونے کا موقع بخشے۔ اور راقم الحروف کے لئے سعادتِ اخروی کا ذریعہ بنا دے۔ آمین۔

احقر: غلام مصطفٰے خاں

۱۵ر شعبان ۱۳۸۸ھ

مکتوبات سیفیہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ (م ۱۰۳۴ھ) کے پوتے اور حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۷۹ھ) کے صاحبزادے حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۹۶ھ) کے یہ ۱۹۰ مکتوبات ہیں جو ان کے خلیفہ محمد اعظم علیہ الرحمہ۔ (مکتوب ۱۷۶، ۷۷) نے جمع کیے تھے۔

اس مجموعے میں چار مکتوبات (۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴) حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہیں۔ ان میں سے تیسرے مکتوب میں بادشاہ اورنگ زیب کے احوال بھی ہیں۔ اسی طرح اس بادشاہ کے احوال حضرت شیخ محمد باقر لاہوری کے نام مکتوبات ۱۴۲-۱۴۸ میں بھی ہیں اور خود اورنگ زیب کے نام ۱۸ مکتوبات (۱، ۲، ۲۳، ۲۶، ۳۵، ۳۹، ۵۶، ۵۷، ۵۹، ۶۰، ۶۷، ۷۲، ۷۴، ۷۶، ۱۶۱، ۱۶۴، ۱۶۵) ہیں۔ جن میں سے مکتوب نمبر ۳۵ میں بادشاہ کی چھیتی بڑی بہن جو دارا شکوہ سے چھوٹی تھی اور روشن رائے بیگم کے انتقال پر تعزیت بھی ہے (ا... بیگم کا یہ نام ان مکتوبات میں بھی ہے۔ اور اقبال نامہ جہانگیری میں بھی ہے۔ عام تاریخوں میں روشن آرا نام آتا ہے) اس کے نام بھی گیارہ مکتوبات (۷، ۹، ۸، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۲۳، ۳۴، ۴۶، ۶۲، ۷۷) ہیں۔ اور آخری مکتوب بیگم کے نئی حویلی میں منتقل ہونے کا ذکر ہے۔ اور اورنگ زیب کے بڑے صاحبز...

محمد معظم (م ۱۱۲۳ھ) کے نام مکتوبات ۵۲-۵۳-۵۶ ہیں اور دوسرے
صاحبزادے محمد اعظم (م ربیع الاول ۱۱۱۹ھ) کے نام ایک ہی مکتوب ۶۹
ہے۔ سلطان عبدالرحمٰن ابن نذر محمد خان (بلخ) کے نام ۵ مکتوبات (۲۹،
سے ۳۳ تک پھر ۳۷، ۳۸، اور ۴۱ سے ۴۵ تک پھر ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۹)
ہیں۔ بی بی عرب خانم کے نام ۴۷، ۷۳، ۷۹، ۱۵۵ مکتوبات ہیں۔ جن میں
سے مکتوب ۷۹ میں ان کو "والدہ مہربان" خطاب کیا ہے۔

محتشم خان کے نام مکتوبات ۱۹، ۱۰۸، ۱۵۷، ۱۶۷، (کسی فتح کا
ذکر ہے۔ ۱۸۴ میں یہ خطاب میر ابراہیم (پسر شیخ میر خوافی) کا تھا جو اُسے
سال ہیجدہم (عالمگیری) میں حج کے بعد ملا تھا اور ہزار و پانصدی کا منصب
بھی ملا تھا بعد میں وہ سارنگپور میوات اکبر آباد اور الہ آباد میں مختلف
منصبوں پر فائز رہا۔ پھر منصب سے علیحدہ بھی کر دیا گیا لیکن بیالیسویں سال
جلوس میں پھر دو ہزاری منصب ملا۔ سال وفات معلوم نہیں اس کے بیٹے میر
محمد خان کو بھی محتشم خان کا خطاب ملا تھا۔ (مآثر الامرا)

مکرم خان کے نام ۱۷، ۱۹، ۲۱، مکتوبات ہیں اس کا نام مراد کام تھا۔ جو
میرزا مراد التفات خان" (پسر میرزا قندھاری) کا بیٹا تھا۔ یہ التفات خان
وہی ہیں جن کا عقد عبدالرحیم خانِ خاناں کی بیوہ صاحبزادی سے ہوا تھا شاہجہاں
عہد میں وہ ہزاری منصب ملا اور لکھنؤ پھر بیسوہ کی فوجداری ملی اور ستائیسویں
سال جلوس میں مکرم خان کا خطاب ملا۔ عہد عالمگیر کے دسویں سال میرزا
مکرم خان کا خطاب دیا گیا۔ ۱۰۸۰ھ میں فوت ہوا۔ شعر بھی کہتا تھا (مآثر الامرا)

بختاور خاں کے نام مکتوب ۶۶ ہے یہ بھی کوئی عہدہ دار ہوگا۔ ان امرا کے علاوہ ممتاز علماء میں سے شیخ محمد باقر لاہوری ابن شرف الدین العباس کے نام مکتوب ۲۵ - ۵۰ - پھر ۱۱۸ سے ۱۴۸ تک اور ۱۸۷ ہیں۔ یہ "کحل الجواہر" کے مشہور مصنف ہیں۔ ان کے نام مکتوب نمبر ۱۶۲ میں ہے۔ کہ آپ حافظ محمد شریف سے استفادہ کریں۔ جو حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ پھر مکتوب ۱۸۷ میں حافظ صاحب مرحوم کے انتقال کا ذکر ہے۔ انہی مکتوبات میں سے ۱۴۴ میں شرح احوال بادشاہِ دین پناہ" ہے۔ حافظ محمد محسن؟ دہلوی (م ۱۱۴۷ھ) جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے اخلاف میں اور دہلی میں ان ہی کے قریب دفن ہیں وہ بھی حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلیفہ تھے۔ ان کے نام مکتوبات ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۹، ۱۸۰ ہیں۔

ملا پایندہ محمد بھی حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے ان کی مرصع تصنیف ـــــ البحرین کی اشاعت کی سعادت اس عاجز کو حاصل ہو چکی ہے۔ ان کے نام مکتوب ۵ ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم کے دیگر خلفاء میں سے خواجہ عبداللہ کولابی کے نام مکتوب ۱۵۴ ہے اور حاجی محمد یوسف کولابی کے نام مکتوب ۱۴۹ سے ۱۵۳ تک خواجہ محمد شریف بخاری کے نام ۹۶ سے ۱۰۷ تک پھر ۱۱۱ سے ۱۱۶ تک اور اور ۱۶۸ - ۱۹۰ تک بھی ہیں انہی میں سے مکتوب ۱۰۵ میں بخاری صاحب کی اہلیہ کے انتقال پر تعزیت ہے۔ صوفی سعداللہ کابلی کے نام ۱۲، ۸۳، ۸۴ ہیں اور ۸۳ میں " ذکر دخول بادشاہِ دین پناہ درین طریقہ" ہے۔ میر محمد ابراہیم ابن میر

محمد نعمان اکبرآبادی جو حج کی واپسی پر حدودِ یمن میں سنہ ۱۰۷۱ھ میں فوت ہوئے۔ (مآثر الامرا جلد اول) ان کے نام ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۲۸، ۳۶ ہیں۔ شریف مکہ کے نام بھی ایک مکتوب ۱۷۱ ہے۔ محمد بن سلیمان المکی (۸۹) (مخدوم زادہ) محمد حسین (۷۳، ۷۴، ۱۷۴، ۱۷۵) میر عبداللہ (۱۸) شیخ عطاء اللہ سوکتی (۱۳) حاجی اسداللہ وزیرآبادی (۵۱) ملا محمد جان (۵۴)، ملا محمد امین حافظ آبادی (۸۱، ۱۸۸) ملا محمد محسن سیالکوٹی (۸۵) شیخ محمد تھانیسری (۸۸) بایزید بہارنپوری (۹۰ تا ۹۵) نورمحمد بنگالی (۱۰۹، ۱۱۰) ملا ابوالقاسم کابلی (۱۵۹، ۱۶۰) اخوند ملا شاہ مراد کے نام ۱۶۶ (درمیان آنکہ ملاقاتِ سلاطین بہ نیتِ حسنہ محمود است) اور ۱۶۳ ا ہیں۔ سندھ کے مخدوم محمد آدم ٹھٹھی (م سنہ ۱۰۹۶ھ) کے نام ۱۶۶ اور محمد حامد لاہوری کے نام ۸۳ ہے۔ گویا مذکورۂ بالا ملکی اور بیرونی سلاطین، امرا، رؤسا اور علما سبھی آپ سے مستفیض تھے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ان مکتوبات کا لکھنے والا ورع و تقویٰ، علم و فضل، خلوص و کمال میں کس قدر بلند مرتبت ہوگا!

میں اپنے مخدوم جناب مولانا حشمت علی خاں صاحب مدظلہٗ (محلہ تھانہ پاکھر۔ رامپور) کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے ضعفِ بصارت کے باوجود مکتوباتِ شریفہ کے اس نادر نسخے کی نقل خود اپنے دستِ مبارک سے فرماکر اس اس کی اشاعت کی سعادت کا موقع بہم پہنچایا۔ اور محترم بھائی مولانا ابوالفتح صغیرالدین صاحب کا بھی عین کرم ہے کہ انہوں نے حسبِ معمول اس مرتبہ بھی متن

حـ حافظ عبدالرؤف ٹھٹھی کے نام ۱۷۸ ہے۔ ملا نجم الدین سلطان پوری کے نام ۱۸۲ اور...

اور پروف کی تصحیح میں بڑی مدد فرمائی۔ جزاھم اللہ فی الدارین احسن الجزاء

احقر: غلام مصطفٰے خان

سعید البیان

فی مولد

سعید الانس والجان صلے اللہ علیہ وسلم

اس رسالے کے مصنف حضرت شاہ احمد سعید دہلوی ثم مدنی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۷۷ھ) (۱۸۶۰ء) ہیں جن کا سلسلۂ نسب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ تک پہنچتا ہے۔ یعنی حضرت امام ربانی قدس سرہ سے حضرت خواجہ محمد معصوم ان سے حضرت خواجہ سیف الدین قدس ان سے حضرت خواجہ محمد عیسیٰ ان سے حضرت عزیز القدر، ان سے حضرت صفی القدر اور ان سے حضرت شاہ ابو سعید زکی القدر (رحمہم اللہ تعالےٰ) تھے اور موخر الذکر کے دو صاحبزادے حضرت شاہ احمد سعید (مصنف رسالہ) اور حضرت شاہ عبد الغنی محدث (جن کے شاگرد مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا محمد مظہر سہارنپوری وغیرہ تھے۔ حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے تین صاحبزادے تھے۔ (۱) شاہ عبد الرشید) ان سے شاہ محمد معصوم اور ان سے ابو طاہر، ابو الفیض، ابو الشرف اور ابو سعید) (۲) شاہ محمد عمر (ان سے شاہ ابو الخیر اور ان سے مولانا محمد بلال،

ولانا محمد زید، مولانا محمد سالم) اور (۳) شاہ محمد مظہرؒ (ان سے شاہ احمد بہاء الدین
ن سے شاہ محمد مظہر اور ان سے احمد سعید، عمر، محمود، عدنان، ابراہیم الہاشم) حضرت
حمد سعیدؒ نے دہلی سے ۱۲۷۴ھ ۱۸۵۷ء میں "جنگ آزادی" کے وقت مدینہ طیبہ کو ہجرت فرما
وہاں ۶۳ سال کی عمر میں وفات پا کر اپنے بھائی شاہ عبدالغنی محدث علیہ الرحمہ
کے ساتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے پانچ رسالے ہیں۔ الانہار الاربعہ
در بیان سلاسل اربعہ (اسی سے مولانا امداد اللہ مہاجر مکی نے ضیاء القلوب میں
اقتباسات لئے ہیں۔) ۲) فوائد ضابطہ در اثبات رابطہ (۳) الحق المبین فی
رد الوہابیین (۴) سعید البیان فی مولد سید الانس والجان صلی اللہ علیہ وسلم
(۵) الذکر الشریف در اثبات مولد منیف (فارسی) ان کے علاوہ آپ کے مکتوبات
شریفہ در اثبات مولد منیف (فارسی)

حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں ان کے صاحبزادے
شاہ محمد مظہر علیہ الرحمۃ نے "مظاہر حکم احمدی" کے تاریخی نام (۱۲۷۰ھ) سے فارسی
میں ایک کتاب المکمل المطابع دہلی سے شائع کرائی تھی۔ پھر یہی کتاب عربی میں
بھی انہوں نے مرتب فرمائی تھی۔ جس کا قلمی نسخہ رباط مظہریہ، مدینہ طیبہ میں موجود
ہے۔ فارسی کتاب کے صفحہ ۱۲۵ میں لکھا ہے کہ "تحقیق فرمودہ اند کہ منع حضرت
جد و رحمۃ اللہ علیہ از مولود خوانی محمول بر سماع و غناست، لاغیر"
رسالہ "سعید البیان" کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ ایک مرتبہ اس کے ساتھ
شاہ محمد معصوم علیہ الرحمہ (ابن شاہ عبدالرشیدؒ علیہ الرحمہ ابن حضرت شاہ

احمد سعید (رحمۃ اللہ علیہ) کا رسالہ "احسن الکلام فی اثبات المولد والقیام" بھی شامل تھا۔

قدیم اردو

رسالہ سعید البیان کی اردو نثر بھی ادبی حیثیت سے بہت اہم ہے۔ کیونکہ یہ رسالہ حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ہجرت سے بہت پہلے ۱۸۵۰ء کے قریب لکھا ہوگا۔ اور یہی وہ زمانہ ہے۔ جبکہ غالب نے اپنے خطوط میں آسان اردو کی داغ بیل ڈالی تھی۔ اس رسالہ کا اسلوب وہی ہے جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادوں کے قرآنی ترجموں کا ہے۔ یعنی فعل اور حروف جار وغیرہ مقدم ہیں۔ اردو زبان سلیس ہے۔ اس رسالے میں جگہ جگہ (صفحات ۱۶، ۱۹، ۲۲، ۲۶، ۲۸ وغیرہ) حضرت شاہ احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خالہ زاد بھائی حضرت شاہ رؤف احمد رافت علیہ الرحمہ (م ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء) کے اردو اشعار نقل کئے ہیں۔ جو انیسویں صدی عیسوی کے آغاز سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنی قدامت کی وجہ سے اہم ہیں۔

حضرت مخدوم و مکرم مولانا زید ابو الحسن فاروقی دہلوی مدظلہٗ کا بڑا کرم ہے کہ انہوں نے اضافے والی عبارتوں کو خارج فرما کر اصل رسالہ مرحمت فرمایا۔ قوسین کے الفاظ کو اضافہ سمجھنا چاہیے۔

احقر: غلام مصطفےٰ خان
سندھ یونیورسٹی حیدرآباد

ہدایت الطالبین

بعد حمد و صلوٰۃ عرض ہے کہ عمدۃ السالکین و زبدۃ العارفین وسیلتنا و شیخنا حضرت مولانا حافظ الحاج سید زوّار حسین شاہ صاحب دامت برکاتہ اور برادرِ طریقت عبدالرزاق صاحب نزداری کے ساتھ یہ عاجز ہندوستان کے مختلف مقامات کا دورہ کرتا ہوا پنجشنبہ ۲۶ ذیقعدہ تا ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ (۵ تا ۹ جولائی ۱۹۵۶ء) دہلی میں مقیم رہا اور مختلف اکابرین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت شہید میرزا مظہر جانِ جاناں قدس سرہ کی طرف سے بحکم ارشاد گرامی ہوا چنانچہ بحمد اللہ حضرت شاہ ابوسعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فارسی رسالے کی اشاعت اس عاجز کے نصیب میں آئی۔ کاش یہ ناچیز سعی، بارگاہِ ایزدی اور دربارِ مظہری میں مشکور و منظور ہو کر اس عاجز کے لئے سرمایۂ اخروی بن جائے۔

اس سفرِ مبارک کی یادگار میں یہ رسالہ "جواہر مظہریہ" ۱۳۷۵ھ اور "مظہر زوّاریہ" ۱۳۷۵ھ ترجمہ کے تاریخی ناموں کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ ایک مرتبہ ۱۲۳۰ھ کے کچھ بعد یہ رسالہ مرتب ہوا تھا۔ اور غالباً دو مرتبہ چھپ چکا ہے۔

رسالہ کے مصنف حضرت شاہ ابوسعید رحمۃ اللہ کی نسبت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تک اس طرح ہے۔ حضرت شاہ ابوسعید بن حضرت صفی القدر بن عزیز القدر بن حضرت محمد عیسیٰ بن حضرت شیخ سیف الدین

بن حضرت محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ۔

حضرت شاہ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ رامپور میں یکم ذیقعدہ ۱۱۹۶ھ کو پیدا ہوئے ع "حافظ وعالم و ولی بادا" تاریخ ولادت ہے حفظ قرآن مجید و مشق تجوید و تحصیل علوم سے فارغ ہو کر آپ نے رام پور میں حضرت مولانا شاہ فیض بخش المعروف شاہ درگاہی قدس سرہٗ (م ۱۲۰۹ھ) سے خاندان مجددیہ زبیریہ میں اجازت اور خلافت حاصل کی پھر جیسا کہ ہدایت الطالبین سے معلوم ہوتا ہے ۔ دہلی میں ، محرم الحرام ۱۲۲۵ھ کو حضرت شاہ غلام علی قدس سرہٗ سے رجوع کیا اور ابتدائی توجہ میں مراقبۂ احدیت و معیت تک سلوک طے کیا۔ پھر اسی سال ۱۵ جمادی آخر کو مراقبۂ اسم الباطن تک پہنچ کر خلافت حاصل کی اور حضرت قدس سرہٗ کی ایک ہی نظر میں قادریہ اور چشتیہ نسبتیں بھی حاصل ہوئیں ۔ بلکہ ان سلسلوں کے اکابر رحمۃ اللہ علیہم کی زیارت بھی پہلی توجہ میں حاصل ہوئی۔ پھر ماہ صفر ۱۲۳۱ھ میں حضرت شاہ علی قدس سرہٗ کی ضمنیت بھی حاصل ہوئی اور نقشبندی سلوک کی پوری تکمیل ہوئی آپ کے خالہ زاد بھائی مولانا رؤف احمد علیہ الرحمۃ نے جواہر علویہ" میں آپ ہی کو حضرت شاہ غلام علی قدس سرہٗ (م ۱۲۴۰ھ) کا قائم مقام اور سجادہ نشین لکھا ہے ۔ سفر حج سے واپسی پر عین عید الفطر کے دن ۱۲۵۰ھ کو ٹونک میں رحلت فرمائی ، لیکن جسدِ اطہر دہلی میں پیر و مرشد کے پہلو میں آسودہ ہے ۔ مادۂ تاریخ ہے

ع "ستونِ محکمِ دینِ نبی فتادہ زپا" ۔ ۱۲۵۰ھ

آپ کا سلسلہ طریقت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ ۔

۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ) کے بعد اس طرح سے ہے۔ (۱) حضرت مجدد الف ثانی کے فرزند ثالث حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ (۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ) (۲) ان کے فرزند حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ (۲۰ جمادی الآخر ۱۰۹۶ھ) (۳) حضرت سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱ ذیقعدہ ۱۱۳۵ھ) آپ نے کچھ دنوں حضرت حافظ محمد محسن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔ جو حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ (۴) حضرت شمس الدین حبیب اللہ میرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ (شب عاشورہ ۱۱۹۵ھ)۔ (۵) حضرت عبداللہ المعروف شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ (۲۲ صفر ۱۲۴۰ھ)۔ (۶) حضرت شیخ ابو سعید زکی القدر رحمۃ اللہ (یکم شوال ۱۲۵۰ھ) مصنف رسالہ ہذا۔

آپ کے بعد مترجم آثم تک سلسلہ یوں آتا ہے۔ (۱) آپ کے فرزند حضرت شیخ احمد سعید مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ (۲ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ)۔

(۲) حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ (۲۲ شوال ۱۲۸۴ھ)۔

(۳) حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ (۲۲ شعبان ۱۳۱۴ھ)۔

(۴) ان کے فرزند خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ (۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ)۔

(۵) حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ (یکم رمضان ۱۳۵۴ھ)۔

(۶) حضرت خواجہ محمد سعید قریشی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ)۔

(۷) حضرت سیدی و مرشدی مولانا حافظ حاجی سید زوار حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۱۳۹ پر)

ابیاتِ سندھی

ابیاتِ حضرت سلطان الاولیا خواجہ محمد زمان لواری

ابیات حضرت سلطان الاولیا خواجہ محمد زمان لواری رح

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ (م ۱۰۳۴ھ) کے فیوض و برکات سندھ میں بھی جاری و ساری ہوئے آپ کے مکتوبات شریفہ دفتر ۳ - ۶۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیہون شریف میں شیخ موسیٰ اور ان کے بیٹے شیخ اسحٰق تھے۔ ایک شخص رحم علی ان دونوں باپ بیٹے کے معروضات آپ تک پہنچاتے تھے۔ تو وہ بھی ضرور مستفیض ہوئے ہوں گے۔ مکتوبات (دفتر ۳ ۹۱) میں سجاول کا ذکر بھی ملتا ہے جو سرہند حاضر ہوئے تھے۔ روضۃ القیومیہ (۱- ۳۴۰) سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بھکر کے عبدالرحیم بھی آپ ہی سے مستفیض ہوئے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ معصوم قدس سرہٗ (م ۱۰۷۹ھ) سے ٹھٹھ کے مخدوم آدم (عرف مخدوم آدو رح) اور ان کے دوست میاں کبیر محمد رح مستفیض ہوئے مخدوم آدم کے نام مکتوبات معصومیہ میں تین مکتوبات (دفتر دوم - ۵۹ - ۶۳ - ۷۷) عربی میں ہیں - عربی میں معروضات کئے ہوں گے جن کے جوابات ہیں- حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کے صاحبزادے حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۹۹ھ) کے ایک مکتوب

مکتوباتِ سیفیہ - ۱۶۶) سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخدوم آدم نے
خواجہ سیف الدین سے بھی فیض حاصل کیا ہے - جو ظاہر ہے کہ حضرت محمد معصوم
قدس سرہٗ کے وصال (۱۰۷۹ھ) کے بعد ہی کیا ہوگا - اسی مکتوب میں
مخدوم آدم کے سندھی احباب یعنی شیخ انس، سید شیخ محمد، ابوالحسن مازگی
اور شیخ عنایت اللہ کا ذکر بھی ہے - جو حضرت سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ
سے مستفیض ہوئے تھے - اس طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ سب
حضرات ۱۰۷۹ھ کے بعد بقید حیات تھے - مخدوم آدم کے پوتے
ابوالمساکین محمد تتویؒ (م ۱۱۴۹ھ) کے خلیفہ تھے اور جو حضرت محمد
نقشبند ثانی مجددی سرہندیؒ (م ۱۱۱۵ھ) کے نواسے خواجہ محمد زبیرؒ
سے بھی مستفیض تھے - ٹھٹھ ہی میں تھے - جہاں لواری شریف کے
مخدوم محمد زمانؒ (۱۱۲۵ھ - ۱۱۸۸ھ) تعلیم کے لئے آئے ہوئے تھے
حضرت ابوالمساکینؒ آپ کو (مخدوم محمد زمانؒ کو) اپنی خانقاہ میں
لے گئے - اور اپنی نظر فیض اثر سے جلد از جلد آپکو سلوک نقشبندیہ طے کرایا
اور خلافت عطا فرمائی ۱۱۵۱ھ میں آپ اپنے وطن لواری تشریف لے
آئے اور آخر دم (۱۱۸۸ھ) تک ہزاروں کو مستفیض فرمایا اور جو
شہرت آپ کو حاصل ہوئی وہ اس دور کے کسی بزرگ کو سندھ
میں حاصل نہ ہو سکی دور دور سے علماء اور صلحاء آپ سے نیاز حاصل
کرنے کے لئے حاضر ہوئے تھے - شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کو
(م ۱۱۶۵ھ) کو بھی آپ سے بہت عقیدت تھی - آپ سخت مجاہدہ

اور ریاضت کے عادی تھے۔ فجر کے بعد سے چاشت تک مسلسل مراقبہ فرماتے تھے اور استغراق کا یہ عالم تھا کہ سینکڑوں مرشدین جذب اور بیخودی میں گم رہتے تھے شب بیداری آپ کا معمول تھا۔ اور لوگوں کو سوتا ہوا دیکھ کر تعجب فرماتے تھے کہ یہ لوگ اس سوداگر کی طرح ہیں۔ جو اپنے گھوڑے بیچ کر بے خبر سو گیا ہو۔ شریعت کے سخت پابند تھے اور ہمیشہ عزیمت پر آپ کا عمل تھا۔ فرماتے تھے کہ "اگر آج مستحب ترک کرو گے تو کل سنت ترک کرنے پر آمادہ ہو گے۔ اسکے بعد ترکِ فرض کی نوبت آئے گی اور ترکِ فرض بعض مرتبہ کفر تک پہنچا دیتا ہے"۔ شریعت اور حقیقت کے اس قدر دلدادہ ہونے کی وجہ سے اپنے کیف و سرور کے عالم میں جو کچھ آپ نے فرمایا وہ "ابیات" کی شکل میں محفوظ ہے۔ ظاہر ہے کہ جب صاحبِ سخن کا عالم ایسا تھا تو ان کے کلام کی شان کیا ہو گی۔ حضرت موصوف کے نامور خلیفہ حضرت عبدالرحیم گرہوڑی رحمۃ اللہ علیہ (م سنہ ۱۱۹۲ھ) نے حضرت علیہ الرحمۃ کی کیفیات سے سرشار اور سرشار ہو کر ان "ابیات" کی جو عربی شرح لکھی ہے وہ صرف وہی لکھ سکتے تھے اور اس کا حق صرف انہی کو پہنچتا تھا۔ فاضل گرامی شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ مرحوم نے آپ کی "ابیات سندھی" کو اپنے ترجمے اور حواشی کے ساتھ کراچی سے ۱۹۳۶ء میں شائع کیا تھا۔ اب محترم پروفیسر پیر سعید حسن صاحب مدظلہ (لواری) نے ابیات کا "تفسیر نما" اردو ترجمہ مرتب کیا ہے۔ میری فرمائش پر عزیز گرامی ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب (صدر شعبہ اردو) سندھ یونیورسٹی

نے اس کا منظوم اردو ترجمہ تیار کیا ہے۔ اللہ پاک ان سب حضرات کو اجرِ عظیم عطا فرمائے آمین۔

فقط

غلام مصطفےٰ

(ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان سابق صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گلشنِ وحدت

حضرت خواجہ عبدالاحد وحدت رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۲۶ھ / ۱۷۱۴ء) المعروف "شاہ گل" کے یہ مکتوبات موسوم بہ "گلشنِ وحدت" ان کے خلیفہ شیخ محمد مراد کشمیری علیہ الرحمہ کے جمع کیے ہوئے ہیں۔ اسی لئے ان میں سے اکثر و بیشتر انہی کے نام ہیں۔ ان کو مکتوب ۹ میں نقشبندیہ خلافت اور مکتوب ۲۲ میں نقشبندیہ سلوک کی تکمیل کے ساتھ ساتھ قادریہ سلوک کی خلافت کی بھی بشارت دی گئی ہے۔ مکتوب ۱۹ میں شیخ محمد مراد کے بھائی شیخ محمد یوسف کشمیری کو بھی اجازت کی بشارت ہے۔ مکتوب ۲۰ میں شیخ موصوف کے والد ماجد کا نام شیخ محمد طاہر ملتا ہے۔ شیخ کے فرزند عبدالرشید کے نام مکتوبات ۸۲-۱۱۱-۱۱۲ ہیں۔ اسی طرح دوسرے فرزند محمد ولی کے نام بھی دو

مکتوب ۷۱-۱۰۳ میں۔ مکتوب ۱۶ میں شیخ کے کسی بھائی کے انتقال پر تعزیت ہے۔ مکتوب ۲۵ میں اسرار الفقر، نواقض الروافض اور تصنیف شریف تین کتابوں کے بھیجے جانے کی اطلاع ہے۔ ان میں سے آخری کتاب بھی پہلی دو کتابوں کی طرح حضرت خواجہ عبدالاحد وحدت رحمۃ اللہ علیہ ہی کی ہوگی۔ جس کا ذکر اب کسی جگہ نہیں آتا۔ مکتوب ۱۴ میں حضرت وحدت کے تیسرے صاحبزادے محمد جواد کی شادی کا ذکر ہے اور اسی میں حضرت کی والدہ ماجدہ کی علالت کا حال بھی ہے۔ جن کی وفات کا ذکر مکتوب ۳۹ میں آتا ہے۔ مکتوب ۵۵ میں حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ ابن حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ملتا ہے حضرت محمد نقشبند ثانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء) ابن حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کے نام مکتوب ۴۷ میں استفادہ کیا گیا ہے پھر مکتوب ۸۷ میں ان کے وصال پر اظہار افسوس بھی ہے۔ اور قطعہ تاریخ بھی مکتوب ۴۶ میں حضرت وحدت رح نے حج کے لئے روانگی کا ذکر کیا ہے اور یہ مکتوب انہوں نے اکبرآباد (آگرہ) سے بھیجا تھا۔ سنہ ۱۱۰۹ھ میں آپ نے حج کیا تھا۔ اور واپسی بندرگاہ مخا سے مکتوب ۶۵ بھیجا دیگر مکتوبات ۶۶-۶۷ بھی اسی ذیل میں ہیں۔

سیاسی اعتبار سے جن شخصیتوں کا ذکر اہم کہا جا سکتا ہے ان میں سے شہزادی زیب النساء بنت اورنگ زیب ہیں جن کے نام مکتوبات ۴۴-۴۷ ہیں یہ مکتوبات حضرت وحدت نے حج ۱۱۰۹ھ / ۱۶۹۷ء کے بعد لکھے تھے۔ جبکہ شہزادی کی عمر ۶۱ سال ہو چکی تھی۔ شاہ فرخ سیر (۱۱۲۴ھ - ۱۱۳۱ھ) کے نام مکتوب ۶۲ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باقاعدہ نقشبندیہ سلوک طے کر رہا تھا۔

لیکن اس کے نام صرف یہی ایک مکتوب ہے اور حضرتؒ کا وصال ۱۱۲۶ھ

میں ہوا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ بادشاہ کے ابتدائی دور میں یہ مکتوب لکھا گیا ہوگا۔ سیف خاں بن تربیت خاں بخشی کے نام مکتوب ۵۰ ہے۔ یہ شاہجہاں اور اورنگ زیب کے عہد میں پہلے کشمیر اور پھر الہ آباد کا صوبہ دار تھا۔ پہلے رند مشرب تھا اور فن موسیقی کا ماہر تھا۔ بلکہ اس فن پر اس نے ایک رسالہ راگ درپن لکھا تھا۔ جو دراصل ایک ہندی کتاب کا فارسی ترجمہ مع اضافہ تھا۔ وہ شاعر بھی تھا۔ اور ناصر علی سرہندی کو اس سے بڑی محبت تھی جو کہتا ہے۔

گر نباشد سیف خاں یار نفس در کار نیست

گفت و گوئے طوطی از آئینہ می خیزد علی

مولانا عبداللہ جان صاحب مدظلہ (گڑھی حضرت خیل۔ تھانہ ملاکنڈ) کا بڑا کرم ہے کہ انہوں نے یہ مکتوبات عنایت فرمائے اور ان کی تصحیح فرمائی کچھ اشعار اور عبارتیں اس عاجز نے بھی درست کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانائے موصوف کا خیال ہے کہ تاریخی طور پر کچھ مکتوبات کی ترتیب یوں ہوگی:۔ ۶۰ کے بعد ۷۱-۷۲-۷۳-۷۴-۶۴-۶۵-۶۶-۷۵-۷۶-۶۷-۷۷-۷۸-۷۹-۸۰-۸۱-۸۷-۸۸-۹۰-۹۱-۸۹-۹۴-۹۵-۹۶-۶۱-۶۲-۶۳-۹۲-۹۳-۸۲-۸۳-۸۴-۸۵-۸۶-۶۹-۷۰-۹۷-۹۹۔

ان مکتوبات کے مطالعے سے ادبی طور پر بھی بعض نئی معلومات حاصل ہوئی ہیں جنہیں "تعلیقات" کے ذیل میں (صفحہ ۱۴۲ بعد) ملاحظہ فرمائیں۔

احقر غلام مصطفیٰ خاں

تحفۂ زواریہ

بسم اللہ الرحمٰنِ الرّحیم؁

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم

وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

امابعد می گراید بندۂ ہیچ میرز ہیچ مداں غلام مصطفٰے خاں ابن گلاب خاں (یوسف زئی) کہ خوش بختانہ در معیت مخدومی صوفی محمد احمد و مکرمی محمد بشیر اللہ زید لطفہا تاریخ ششم شعبان ۱۳۸۱ھ عازم شہر مظفر گڑھ (پنجاب) گشتم کہ آں جا جلسۂ مبارکہ برائے ایصال ثواب حضرت خواجہ خواجگان مولانا محمد سعید قریشی الہاشمی رحمۃ اللہ علیہ منعقد گشتہ بود و مرشدی و مولائی عمدۃ السالکین وزبدۃ العارفین حضرت شاہ زوار حسین دامت نیز آں مقام را تشریف دادہ بودند۔ از آنجا بہ مسکین پور رفتیم و بہ زیارت روضۂ تاج الاولیاء و سر آمدِ اصفیاء حضرت شاہ فضل علی قدس سرہٗ مشرف گشتیم بعد ازاں بہ مظفر گڑھ مراجعت نمودیم و در زیر ارشاد حضرت سعید زمانی مولانا محمد سعید گوہانوی مدظلہ العالی عازم دریا خاں گشتیم کہ آں جا مسکن قطب زماں وسیلتنا و مولانا حضرت سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ ہنوز مرجع اصفیاء ہست و بقول مولانائے رومی

مسکنِ یار است و شہرِ شاہِ من ۔۔۔۔ پیشِ عاشق این بود حب الوطن

بحمد اللہ آں جا از پسرانِ سراج الدین حضرت محمد [illegible] ساعد
محمد ابراہیم مدظلہ شرفِ ملاقات حاصل نمودیم و بعد ازاں [illegible] اسمٰعیل شاہ و [illegible]
وازاں جا در سیارہ (موٹر) نشستہ روانہ شدیم و [illegible] العظیم
۱۳۸۵ھ (۵ مئی ۱۹۶۵ء) قبل از مغرب بہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ بہ موسیٰ
زئی رسیدیم. چوں در صحنِ مسجد رسیدیم ہمہ اعضائے ایں بندہ لرزہ کردن
گرفت و از فیوض و برکاتِ آں مقام وجد و کیفیت طاری گشت. بہر حال یک
شب و یک صبح آں جا قیام کردیم و سے ؏

صبحے چہ صبحے شامے چہ شامے

جائے سراپا انوار و مقامے مخزنِ اسرار۔ بقول نظیری ؎

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

زیرا کہ آں جا سہ بزرگانِ والا شان آسودہ اند۔ اعنی قطبِ زمانی حضرت حاجی دوست محمد
قندھاری ثم دامانی قدس سرہ و خلیفۂ ایشاں حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی
رحمۃ اللہ علیہ و فرزند و خلیفۂ آں شاہِ والا جاہ حضرت خواجہ محمد سراج الدین
رحمۃ اللہ علیہ ادام اللہ فیضانہم علی رؤس اخلافہم۔

موسیٰ زئی مقامے ست کہ چوں کاتبِ ایں مکاتیب شریفہ سراج الاولیا
و زبدۃ الاصفیا حضرت ابو المکارم شاہ احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
(ابنِ غوثِ آواں و قطبِ زماں حضرت شاہ ابو سعید دہلوی قدس سرہ)
کہ در ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء بہ ہنگامِ غدر از دہلی ہجرت نمودہ عازمِ حرمین الشریفین گشتند
اندر ورودِ مسعود خود آں را شرف دادہ و چندے اقامت فرمودہ۔ بدیں سبب

بیعت کرده‌اند که محمد سعید می‌گویند و مجاهدت در حضرت

محمد اسمٰعیل (پسر حضرت حافظ محمد ابراهیم ...) ...

و معمور بود ... حضرت ... شاه احمد سعید دهلوی رحمة الله ...

درست ... حافظ ... رحمة الله علیه ... سال ... بوده .

آن بزرگوار (حضرت احمد سعید قدس سره) ...

بگذار ... که "مظهر یزدانی" ...

... ولادت گشته ... دهلی آمده حافظ قرآن شدند

... از حضرت ... و مختصر ... عبدالله المعروف شاه ...

... رحمة الله علیه ... کردند و کتب تصوف مثل رساله قشیریه

و عوارف و احیاء العلوم و مکتوبات شریف و مثنوی مولانا روم

خوانده و در حلقهٔ ایشان استفاده کردند و هم کتب معقول و منقول

وقت مثل مولوی فضل امام ... مولوی رشید الدین خان علیهما الرحمه خوانده

حضرت شاه عبدالعزیز محدث دهلوی رحمة الله علیه سند حدیث ...

از حضرت شاه رفیع الدین محدث و شاه عبدالقادر محدث رحمة الله

استفادهٔ علمی کردند و تا مدت پانزده سال از حضرت شاه غلام علی

فیضیاب شدند و هم ... ایشان گشتند و بعد از مفارقت ...

(در ...) ... کسب ... کردند ...

... بزرگوار خود ... سجادهٔ ارادت و ارشاد ...

... شدند ...

...شدند. چون "رستخیزِ بے جا" (۱۲۷۴ھ) در دہلی روئے نمود ...
...ہجرت نمودہ بہ طالبانِ ملکِ عرب فیوضِ فراوان رسانیدند
...منورہ را اقامت فرمودند۔ بالآخر وصالِ ایشان بین الظہر والعصر
...شنبہ دوم ماہِ ربیع الاول سنہ یکہزار و دو صد و ہفتاد و ہشت ہجری
...شد و در آں بلدۂ طیبہ بجنبِ قبۂ سیدنا و مولانا حضرت عثمانِ غنی
...اللہ عنہ بجانبِ قبلہ مدفون شدند۔

نقل است کہ حضرت احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ چون بعمرِ بست سال رسید
...حضرت شاہ غلام علی قدس سرہٗ در رسالہ نوشتند کہ "حضرت احمد سعید فرزند
...بہ علم و عمل و حفظِ قرآنِ مجید و احوالِ نسبتِ شریفہ قریب است بہ
...ماجدِ خود"۔

نقل است کہ حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ فرمودند کہ حضرت
...ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ تحریر فرمودہ اند کہ حضرت امام مہدی
...السلام از اولاد ما نسبت حاصل خواہند کرد و مراد حضرت شاہ غلام علی
...را بہ نظرِ کشفی معلوم می شود کہ از اولادِ این پسر (حضرت احمد سعید)
...نسبت حاصل خواہند کرد۔

فرمودند کہ در خانقاہِ ما بر وقتِ تراویح بدین طور مشاہدہ شد کہ حضرت
...کائنات و باعثِ موجودات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب کبار رضوان
...علیہم تشریف دادہ اند برائے استماعِ قرآنِ این بندہ و بعد ازاں تحسینِ قرآ...

...ردند۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

...فزاهم الله. ولے بندہ التجا دارم کہ قاری گرامی ہر جگہ کہ خطا در متن بیند
...سوب بہ مرتب احقر کردہ در گذر بکند و بدرگاہ الٰہی دعائے عفو گذراند۔

نواب الاقدام: غلام مصطفٰے خان
چہار شنبہ ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ

مکتوبات معصومیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بفضلہٖ تعالے این مجموعۂ مکتوبات شریفہ از حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہ (م ۱۰۷۹ھ) ابن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ۔ (م ۱۰۳۴ھ) بحسب ارشاد صاحب الرشاد شیخنا وسندنا الحاج الحافظ سید زوار حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم، صورت انطباع دیدہ تشریف شود۔

حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان مجددی[1] مدظلہ خیلے شفقت فرمودہ نسخہ ہائے خطی فراہم نمودند و از کابل نیز نسخہ آوردہ تصحیح و تزئین شرف دادند

---

[1] افسوس کہ (ولبعد از تصحیح بروز دوشنبہ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ وفات یافت. و ہم مولانا محمد اسحاق جان مجددی.

و در معیتِ حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی مدظلہٗ و مولانا غلام محمد عارفی مدظلہٗ تصحیح دفتر اول فرمودند و برادر روحانی مولانا ڈاکٹر ابوالفتح محمد صغیرالدین مدّ مجدہ در تصحیح دفتر دوم سعی فرمودند، ولے این ہمہ را حضرت شیخنا دامت برکاتہٗ در نظرِ ثانی تصحیح فرمودند۔ جزاہم اللّٰہ فی الدارین احسن الجزاء۔

ترتیب دفتر اول از نسخہ ای کہ در سنہ ۱۰۳۲ھ از کانپور (بسعی یکے از معتقدان حضرت فضل الرحمٰن نقشبندی گنج مرادآبادی رحمۃ اللّٰہ علیہ) طبع شدہ بود ہم مطابقت کردہ شد۔ و دفتر سوم کہ از تصحیح و ترتیب مولانا نور احمد امرتسری علیہ الرحمہ طبع شدہ بود حالا بعد از چند حواشی بطرزِ عکسی شامل کردہ می شود۔ سنین مکتوب الیہم چندانکہ از انتخاب این مکتوبات (از مولانا نسیم احمد امروہوی) ہم مستفاد می شود درج کردہ شد و در آخر این مجموعہ اشاریہ INDEX ہم اضافہ کردہ می آید۔

چند اشارات کہ قابلِ توجہِ مورخان باشد این است۔

دفتر اول ــــــ مکتوب اول ذکر آن مجموعہ مکتوبات (دفتر سوم مکتوبات مجددیہ) آید کہ خواجہ محمد ہاشم کشمی ترتیب نمودہ بود و از مکتوب ۸۱ (از دفتر ہذا) ابراز شدہ است ہم درین مکتوب اشارہ ای از مکتوبات امام ربانی (دفتر ۳۔ مکتوب ۹۰) کردہ شود کہ چگونہ اسرار بکشودند۔ مکتوب ۳۔ ذکرِ وفاتِ میان شیخ مزمل رح آید (شب شنبہ ۲۶ ربیع الآخر سنہ ۱۰۲۶ھ)۔ مکتوب ۵۔ سفرِ حج مولانا محمد صدیق (کشمی) مذکور می شود (سنہ ۱۰۳۲ھ)

مکتوب ۱۴ - ذکر اوراد و وظائف است کہ مولانا محمد حنیف (خلیفہ حضرت عروۃ الوثقیٰ رح) جمع نمودہ بود۔

مکتوب ۸۶ - ذکر ایام وصال حضرت مجدد رض ہم آید۔

مکتوب ۱۱۲ - فرمودہ اند کہ مکتوب الیہ چرا مولانا محمد صدیق پشاوری را نا خوش کردہ است۔

مکتوب ۱۸۲ - ذکر انزوای خود فرمودہ اند۔

مکتوب ۲۳۴ - تعزیت خواجہ محمد ہاشم کشمی رح۔

دفتر دوم ______ مکتوب ۲ معنی مجدد الف ثانی۔

مکتوب ۱۳ - بہ شب دوشنبہ ہفتم ذی الحجہ (۱۰۵۶) والدہ ماجدہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ رحلت فرمودند۔ مکتوب ۴۰، روانگی برائے حج۔ مکتوب ۱۰۱ رسالۂ اذکار۔ مکتوب ۱۱۳ ذکر

دفتر سوم ______ مکتوب ۷ - مصرعہ ای از ہندی درج است (چونے کی سی کانکری جب چھڑکوں تب آگ) مکتوب ۹ - طریقہ ذکر بیان فرمودہ اند۔ مکتوب ۱۴ طریقۂ نفی و اثبات، مکتوب ۸۶ (یعنی یادکرد و یادداشت وغیرہ۔

مکتوب ۶۷ - کمالات اولی العزم بیان فرمودہ اند۔ مکتوب ۸۰ مکاشفات امان اللہ بیگ

مکتوب ۹۳ کمالات صلوٰۃ۔ مکتوب ۱۵۵ - فرمودہ اند کہ حقیقت کعبہ تعلق بہ لطیفۂ روح متعلق است و حقیقت صلوٰۃ بہ لطیفۂ اخفیٰ مناسبت دارد۔

مکتوب ۱۵۶ - مصرعہ ای از حضرت امیر خسرو رح درج است (چل خسرو گھر آپنے سانجھ پڑی چہو دیس) الفاظ ہندی ہم استعمال شدہ است۔ مثلاً ڈاک چوکی (۳۴) ڈولی (۱۰۸، ۲۴، ۱۶۳، ۱۷۰) گھڑی (۱۶۳) وغیرہ۔

سنینِ عہدِ معصومیہ رح

۱۰۰۷ھ - ولادت خواجہ محمد معصوم
(در شنبہ ۱۱ شوال)

۱۰۰۸ھ - حضرت مجدد در خدمت خواجہ باقی باللہ رح
بار اوّل

۱۰۰۹ھ - حضرت مجدد در خدمت می شدند (بار دوم)

۱۰۱۱ھ - قتل ابوالفضل

۱۰۱۲ھ - وفات خواجہ باقی باللہ رح

۱۰۱۴ھ - وفات اکبر بادشاہ
جہانگیر تخت نشین شد

۱۰۱۶ھ - حضرت مجدد در وفات فرزند محمد صادق
به دہلی از یکم جمادی الاولیٰ تا رجب

۱۰۱۸ھ - وفاتِ خواجہ محمد صادق کابلی رح

۱۰۱۹ھ - تصنیف رسالہ مبدأ و معاد (حضرت مجدد)

۱۰۲۰ھ - تکمیل مسودہ تعلیقات بر شرح رباعیات
خواجہ باقی باللہ رح

۱۰۲۴ھ - ولادت داراشکوہ

۱۰۲۵ھ ترتیب دفتر اول از مکتوبات مجددیہ رح (طاعون
در سرہند) و وفات خواجہ محمد صادق رح و محمد فرخ رح
و محمد عیسیٰ رح و ام کلثوم (اولادِ حضرت مجدد)

۱۰۲۵ھ - وفات نواب مرتضیٰ خان (شیخ فرید بخاری)

۱۰۲۶ھ - وفات مولانا احمد برکی رح
وفات ملا محمد معصوم رح
وفات شیخ مزمل (شب دوشنبہ ۲۶ ربیع الآخر)

۱۰۲۷ھ ولادت اورنگ زیب عالمگیر رح
ترتیب دفتر دوم از مکتوبات مجددیہ رح

۱۰۲۸ھ حضرت مجدد به آگرہ رفتند (از حسد علماء)
مقید شدند - (جمعہ یکم رجب)

۱۰۲۹ھ - حضرت مجدد از قید رہا شدند (جمعہ ۱۰ رجب)
(ولے در ہمراہی لشکر تا دو سال ماندند)
فتح قلعۂ کانگڑا

۱۰۳۱ھ - وفات میر محمد مومن بلخی
وفات شیخ عیسیٰ برہانپوری رح

۱۰۳۲ھ جہانگیر در سرہند ضیافت حضرت
مجدد قبول کرد (وفات میر کشاہ بخاری رح)

۱۰۳۳ھ ترتیب دفتر سوم مکتوبات مجددیہ

وفات داراب خاں فرزند عبدالرحیم
خانِ خاناں وفاتِ خانِ اعظم
۱۰۳۴ھ وصال حضرت مجدد (دوشنبہ ۲۸ صفر)
۱۰۳۵ھ - وفاتِ حاجی خضر خان رح
وفاتِ یوسف برکی در جالندھر
۱۰۳۶ھ - وفاتِ عبدالرحیم خانِ خاناں
۱۰۳۷ھ - تصنیفِ زبدۃ المقامات (محمد ہاشم کشمی)
وفاتِ میاں میر در لاہور
وفاتِ جہانگیر
تخت نشینی شاہجہان "زینت شرع"
۱۰۳۹ھ - وفاتِ علم اللہ محدث
وفاتِ محمد صالح کولابی رح
(مصنف ہدایت الطالبین)
۱۰۴۰ھ - تکمیلِ دفترِ سوم مکتوباتِ مجددیہ رح
(بہ اضافہ دو مکتوبات)
وفاتِ مولانا طاہر در لاہور
وفاتِ سید محمود گجراتی
۱۰۴۲ھ - وفات خواجہ حسام الدین بدخشی (یکم صفر)
۱۰۴۳ھ - ملا یار محمد "قدیم" بہ حج رفت

۱۰۴۷ھ - وفاتِ شیخ طاہر بدخشی (جونپور)
۱۰۴۹ھ - وفاتِ شیخ الہ داد رح
تصنیف سفینۃ الاولیاء (دارا شکوہ)
۱۰۵۰ھ - وفاتِ شیخ حمید الدین بنگالی (منگل کوٹ)
وفاتِ کریم الدین (حسن ابدال)
۱۰۵۰ھ - وفاتِ والدہ ماجدہ خواجہ محمد معصوم
(شب دوشنبہ ۷ ذی الحجہ)
۱۰۵۱ھ - وفاتِ خواجہ محمد صدیق بدخشی رح
(تخلص ہدایت)
۱۰۵۲ وفاتِ تاج الدین سنبھلی (مکہ معظمہ)
وفاتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح
وفاتِ میر محمد یعقوب "شمشیر خان"
شیخ میر ابن محمد جان خوافی۔
۱۰۵۳ھ - ترتیب مکاشفاتِ عینیہ (حضرت مجدد)
۱۰۵۴ھ - وفات محمد ہاشم کشمی (برہانپوری)
وفاتِ شیخ آدم بنوری رح (مدینہ منورہ)
۱۰۵۹ھ وفات میر محمد نعمان رح در آگرہ (۱۸ صفر)
۱۰۶۳ھ ترتیب دفتر اول مکتوبات معصومیہ رح
۱۰۶۸ھ - وفات ملا عبدالحکیم (سیالکوٹ)
۱۰۷۰ھ - وفات خواجہ محمد سعید ابن حضرت مجدد رح
(۲۷ جمادی الاخریٰ)

- وفاتِ جانان بیگم بنت عبدالرحیم خانخاناںؒ (زوجۂ دانیال ابن اکبر بادشاہ)

۱۰۷۱ھ وفاتِ محمد ابراہیم رحؒ ابن میر محمد نعمان

۱۰۷۲ھ - وفاتِ خواجہ احمد بخاریؒ

بقیہ صفحہ نمبر ۱۰۴ پر

تحقیق الحقِ المبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بفضلہٖ تعالےٰ در سنہ ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۲ء عزیمت آں داشتیم کہ کتبِ نوادرِ اولیائے نقشبندیہ (علیہم الرحمہ) از ہمہ جا حاصل نمودہ اشاعت کنیم تا آنہا محفوظ گشتہ موجبِ فیوضاتِ روحانی شود و اولین کتابے کہ بدست آمد مکتوبات حضرت شاہ احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م سنہ ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء) بود کہ از کراچی شائع کردیم و بعدازاں قریباً بیست کتب ازیں قبیل نشر کردیم - باوجود ہمہ کوتاہیہا کہ در طباعت و کتابت اشاعتہائے ما روے دادہ بود ہمہ بزرگانِ سلسلہ سعی ما را مشکور فرمودند - پس مردمانِ متصوفہ را شوق و رغبت برائے اشاعت و طباعتِ آنہا پیدا نمود و ایشاں ہم ایں کارِ خیر را اختیار کردند -

ایں رسالہ ہم از قلم حضرت شاہ احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بود کہ در جواب شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ (م سنہ ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵ء) مرتب کردہ شد. نواب محمد زمان خان

ابن نواب محمد باز خان (جد امجد نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی
مرحوم - رئیسِ بھیکم پور) ۳۵ سوالات در رسوم معاشرہ نوشتہ بخدمت شاہ
محمد اسحٰق (ابن شیخ محمد افضل فاروقی) کہ نبیسہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
رحمۃ اللہ علیہ بود، فرستاد و اجوبہ آنہا طلبید - شاہ محمد اسحٰق رح آنہا را اجوبہ بدست
مولوی محمد امین الدین ابو محمد مرتّب فرمود و آں مولوی صاحب ہم پنج سوالات را اضافہ
کرد - پس آں ہمہ را "مسائل اربعین" نام آمد - و آں در اردو ہم ترجمہ شدہ است

احقر :- (پروفیسر ڈاکٹر) غلام مصطفٰی خان
صدر شعبۂ اردو - سندھ یونیورسٹی
حیدر آباد

رسائل مشاہیرِ نقشبندیہ

بعد از حمد و صلوٰۃ ایں بندۂ ہیچمیرزہ ہیچمدان، غلام مصطفٰی خان، ایں رسالہ
شریفہ کہ مصنفات اکابر از اولیائے نقشبندیہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) باللہ پیش وارثان
تمہید کردہ اظہار حال می کنم کہ دریں ایام علوم تصوف و معرفت از برائے اصلاح نفس
از بس ضروری و لابد شمردہ سعیِ اشاعت نمودم تا بدیں وسیلہ سعادت اخروی را
امیدوار شوم - دریں امید را محض از لطفِ الٰہی و بطفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
متمنی شوم و بآں ہمہ عیوب کہ پیوندِ نفسِ ایں بندۂ کمینہ باشند بدرگاہِ ستار العیوب
بفحوائے ادعونی استجب لکم رجوع شدہ ملتجیِ عفو و مغفرت باشم -
حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی مدظلہ العالی کہ ایشاں را نسب

ایں مجموعہ فوادر کردہ آمد، در مدینہ طیبہ اقامت گرفتہ ہمہ اطراف واکناف عالم اسلامیہ را از فیوض وبرکات روحانی مستفید می گردانند زاد اللہ تعالےٰ قدرہ وادام ظلہ علیٰ رؤس المسترشدین۔ حضرت ایشاں در سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ بدیں طور مذکور باشند۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت خواجہ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت سید نور محمد بدالیونی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ۔ حضرت شاہ ابو سعید دہلوی رحمۃ اللہ۔ حضرت شاہ احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ۔ حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ و بعد از ایشاں مقتدائے نیکاں حضرت مولانا عبد الغفور عباسی مہاجر مدنی مدظلہ العالی۔

حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ را خلیفہ و دیگر حضرت محمد سعید قریشی رحمۃ اللہ بودند کہ خلیفہ ایشاں حضرت شاہ زوار حسین باشند (دام اللہ برکاتہ) کہ محسن و مرشد ایں بندۂ کمینہ ہستند ے اگرچہ

نیک نیم خاک پائے نیکانم۔ عجب کہ تشنہ بمانم سفال ریحانم۔

شائع کنندہ ایں مجموعہ منہ کہ الحاج محبوب الٰہی را الٰہی محبوب خود گرداں!

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد!

سبیل الرّشاد

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمْ

بفضلہٖ تعالےٰ این رسالۂ نادرہ کہ در باب مجددیت و سلوک آن سلسلۂ عالیہ از مؤلفاتِ حضرت خواجہ عبدالاحد (المتخلص وحدت المعروف شاہ گل) رحمۃ اللہ علیہ (م سنہ ۱۱۲۶ھ) ابن خازن رحمت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (م سنہ ۱۰۷۰ھ) ابن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ (م سنہ ۱۰۳۴ھ) است و در کتاب خانۂ حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم فاروقی مجددی علیہ الرحمۃ (م سنہ ۱۲۹۵ھ) در ٹھٹہ سندھ سائیں داد موجودہ محفوظ

این بندۂ عاجز در سنہ ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء در مجلہ الرحیم (حیدرآباد سندھ) این رسالہ را مع ترجمہ شائع کردہ بودم۔ ولے در آن وقت نام مؤلف و تالیف معلوم نہ بود۔ البتہ در ورق ۳ ب (صفحہ ۸ این رسالہ) اشارتے متعلق بہ تالیف دیگر آن مؤلف چنین دریافتہ بود

ومن الشواھد العظیمۃ انہ صلی اللہ علیہ وسلم اخبر بوجودہٖ ثم المشائخ الکرام فی الازمنۃ الماضیۃ کما فصّلتُہٗ فی الرسالۃ فی المسماۃ بالجنات الثمانیہ

بعد از اشاعت این رسالہ در آن مجلۂ مذکورہ، معلوم شد کہ کتاب الجنات الثمانیہ از حضرت خواجہ عبدالاحد وحدت رحمۃ اللہ علیہ است۔ پس واضح گردید کہ این رسالہ ہم از آن خواجہ است۔ در فہرست تصنیفاتش نام این رسالہ سبیل الرشاد مندرج است۔ نام جامع این رسالہ سبیل الرشاد مندرج است۔ نام جامع این رسالہ ہم معلوم نیست ولے ما متشکرِ او ہستیم کہ او در ضمیمۂ این رسالہ اقتباسات در باب مجددیت از کتاب الجنات الثمانیہ نقل نمودہ است۔ فقط غلام مصطفٰی خان

خزینة المعارف

بعد از حمد و صلوٰة عرض می شود که این مجموعهٔ مکتوبات از حضرت مروج الشریعت بهاء الدین ابو العباس محمد عبید الله رحمة الله (م ۱۰۸۳ھ) فرزند سوم حضرت خواجه محمد معصوم رحمة الله ابن حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرهندی قدس سرہ هست که فرزند ایشان تاج الدین ابو المحسن محمد هادی علیه الرحمة به اسم تاریخی "خزینة المعارف" (۱۰۹۱ھ) ترتیب نموده بودند. خطی آن در کتاب خانهٔ حضرت مخدومنا مولانا ضیاء المشائخ صاحب مدظله (ابن حضرت نور المشائخ مجددی رحمة الله علیه) در کابل محفوظ است که آن حضرت این مسکین را نقل آن مرحمت فرموده اند۔ ادام الله فیوضه و برکاته

حضرت مولانا حافظ محمد هاشم جان صاحب مجددی مدظله و برادر روحانی ڈاکٹر مولانا ابو الفتح صغیر الدین صاحب مد مجده را خیلے متشکر هستم که در تصحیح این نسخه اعانت بے غایت فرمودند جزاهم الله فی الدارین احسن الجزاء۔ از مطالعهٔ این مکتوبات واضح می شود که حضرت مروج الشریعت "مثل برادران خود یعنی حضرت خواجه محمد نقشبند ثانی رحمة الله علیه و حضرت خواجه محمد سیف الدین رحمة الله علیه تربیت بادشاه وقت اورنگ زیب عالمگیر و امراء و علماء آن زمانه فرمودند (تفصیل احوال در روضة القیومیه مندرج است۔)

فقط۔ احقر۔ غلام مصطفیٰ خان

افسوس که خطاط این مجموعه مکرمی حافظ حکیم ذوقی صاحب مصطفائی الٰه آبادی به سه شنبه یکم جمادی الاخریٰ رحلت فرمود ۔ ۱۳۹۳ھ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

ادبی جائزے

اس مجموعے کا پہلا مضمون ۱۹۳۷ء میں کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی[1] برار کے میگزین میں شائع ہوا تھا وہ میں نے اپنے طلبہ کیلئے تیار کیا تھا۔ اور کچھ زیادہ اچھا بھی نہیں تھا لیکن اس کی اشاعت کے ۸۔۹ سال بعد ایک صاحب نے غالباً یہ خیال کر کے کہ اس کا لکھنے والا مر چکا ہوگا۔ اپنی طرف سے رسالہ ابن الادب (لوہارو) میں ہو بہو شائع کر دیا۔ اس طرح اندازہ ہوا کہ وہ اور اس جیسے کچھ مضامین کبھی اگر یکجا شائع ہو جائیں تو شاید برے نہیں رہیں گے اور ممکن ہے کہ بلا واسطہ نہ سہی ان کی خامیوں کی وجہ سے بلواسطہ ہی کسی صاحب کو کچھ استفادے کا موقع مل سکے ورنہ راقم الحروف کو تو اپنے متعلق یہی ظن غالب رہا ہے کہ ع :- ہم کہاں کے دانا تھے۔ کس ہنر میں یکتا تھے؟

یہاں کتابت اور طباعت کا مرحلہ سخت دشوار ہے کاتب صاحبان بہت پریشان کرتے ہیں۔ عزیز گرامی پروفیسر سخی احمد ہاشمی کی متواتر حک و اصلاح

---

[1] کنگ ایڈورڈ کالج میگزین امراوتی برار نومبر ۱۹۳۷ء

کے باوجود کتاب کا حلیہ درست نہیں اس کے لئے سوائے معذرت کے کوئی چارہ نہیں ہے اس خامی کی وجہ سے عمداً اشارہ یہ بھی دو کے لیا ہے جو مولانا وصی مظہر صاحب نے تیار کر دیا تھا، عزیزم سید حافظ غلام معین الدین صاحب ایم۔ اے۔ بی ٹی نے بہت بھاگ دوڑ کی اللہ پاک ان سب کو جزائے خیر دے۔!

احقر۔ غلام مصطفٰے خاں

قرآنی عربی

قرآن پاک کا سیکھنا سکھانا مسلمانوں کے لئے جس قدر اہم ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ہمارے علماء نے بارہا کوشش کی ہے کہ وہ آسان سے آسان طریقہ اختیار کریں اور قرآن جیسی نعمت کو عام کریں۔ اس عاجز نے ان بزرگوں کی مساعیِ جمیلہ سے فائدہ اٹھا کر یہ مختصر اور سہل الحصول رسالہ مرتب کیا ہے۔ خدا کرے کہ اسے قبول عام حاصل ہو اور ہماری قوم آسانی سے قرآنی عربی سے واقف ہو سکے۔

مولانا عبدالرحمٰن امرت سری کی کتاب الصرف اور کتاب النحو، مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب نامی کی کتاب مفتاح القرآن اور صوفی نذر محمد سیال صاحب کی کتاب دروس القرآن زیادہ تر پیش نظر رہی ہیں۔ بلکہ مؤخر الذکر کتاب سے اکثر و بیشتر استفادہ کیا ہے۔ اللہ پاک ان بزرگوں کو اجر عظیم عطا فرمائے اور ہم کو استفادے کی توفیق بخشے۔

دوسرا ایڈیشن

اللہ پاک کا بے پایاں احسان ہے کہ اس رسالہ کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ اب کچھ معمولی ترمیم کے ساتھ دوسرا ایڈیشن شائع کیا جا رہا ہے۔ خدا کرے یہ بھی اس کی رضا کے لئے ایک ذریعہ بن جائے۔ آمین!

فقط والسلام

احقر ــــ غلام مصطفےٰ خاں

۱۷ر اگست سنہ ۱۹۷۱ء

"تحقیقی جائزے"

مقدمہ

یہ میرے گیارہ مضامین ہیں جو مختلف رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ مضامین کا معیار کیا ہے۔؟ یہ اہلِ نظر جانیں گے۔ مجھے مطلق دعویٰ نہیں کہ یہ معیاری ہیں۔ اور اپنی جگہ مکمل ہیں۔ بلکہ ظنِ غالب یہ ہے کہ: ع

کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لئے

کوشش صرف اتنی کی گئی ہے۔ کہ طلبہ کے مذاقِ تحقیق کی تسکین کے لئے کوئی چیز مہیا ہو جائے اور صرف اسی حد تک کامیابی کی توقع بھی ہے ؎

لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالبؔ
جادۂ رہ، کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

"بزمِ غالب" سکھر کے صدر عزیزی پروفیسر سردار احمد صاحب اور

اراکین کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے میرے مضامین سے اپنے نشر و اشاعت کے کام کا آغاز کیا۔ اللہ پاک ان سب کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

احقر:- غلام مصطفٰے خان

حالی کا ذہنی ارتقا

یہ مجموعہ راقم الحروف کے چند مطبوعہ مضامین پر مشتمل ہے جو وقتاً فوقتاً اس طرح ہو چکے ہیں۔

(۱) "حالی کی فارسی شاعری" رسالہ "اردو" کراچی (حالی نمبر) اپریل ۱۹۵۲ء

(۲) "حالی کا ذہنی ارتقا" 〃 〃 〃 (الف) جولائی ۱۹۵۲ء

〃 〃 〃 (ب) اکتوبر ۱۹۵۲ء

〃 〃 〃 (ج) جنوری ۱۹۵۳ء

(۳) "حالی کی اردو غزل" 〃 〃 〃 ـــــ اپریل ۱۹۵۵ء

(۴) "سرسید اور مقدمہ شعر و شاعری"۔ رسالہ "برگ گل (سرسید نمبر) اردو کالج کراچی ۱۹۵۵-۵۶ء

لیکن مجموعے میں یہ ترتیب بدل دی گئی ہے۔ اور "حالی کا ذہنی ارتقا" نہ صرف مقدم ہے بلکہ نفس مضمون اور معنویت کے لحاظ سے کتاب بھی اسی نام سے موسوم کی گئی ہے۔ ذیلی حاشیے مضمون کی طوالت کی وجہ سے قائم کئے گئے ہیں لیکن طوالت ہی کے خیال سے فہرست حذف کر دی گئی ہے۔ تاہم "اشاریہ"

سے مضامین اور موضوعات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مآخذات بھی اسی ذیل میں آجاتے ہیں۔

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ موضوعات کے سلسلے میں محنت اور کاوش کس درجہ کی گئی ہے۔ لیکن کوشش ضرور کی گئی ہے۔ کہ ان تمام کیفیات اور حالات کا اجمالاً جائزہ لیا جائے جو کسی تحریر کے وقت مولانا حالی کے دل و دماغ کو متاثر کر سکتے تھے۔ دوسرے فضلاء چاہیں تو اس اجمال کو تفصیل سے بدل دیں۔ تاکہ مولانا کا نفسیاتی مطالعہ زیادہ بہتر طریقے پر ہو سکے۔ مولانا کی مختلف تصانیف پر تبصرے زیادہ طویل نہیں ہیں۔ اور اس خصوص میں مولانا کی اختصار پسندی ہی پسند کی گئی ہے۔

کتاب کے متعلق خود مصنف کی رائے کوئی وقعت نہیں رکھتی اور خصوصاً اس مصنف کی رائے تو اور بھی غیر وقیع ہے۔ جسے اپنی خامیوں کا احساس اور اعتراف بھی ہے لیکن یہ صرف فاضل محترم ڈاکٹر سید محمد عبداللہ صاحب (صدر شعبۂ اردو پنجاب یونی ورسٹی) برادر مکرم ڈاکٹر سید رفیع الدین صاحب (صدر شعبۂ اردو ناگ پور یونی ورسٹی) اور عزیزم ڈاکٹر سید نعیم الدین صاحب (پروفیسر ناگ پور یونی ورسٹی) جیسے فضلاء کی ہمت افزائی اور علم نوازی ہے کہ انہوں نے ان مضامین کے متعلق اپنی بیش قیمت رائیں خود ہی عنایت فرمائیں اور کتاب کی اشاعت کی طرف توجہ دلائی۔ جزاھم اللہ تعالےٰ۔

آخر میں اس قدر اور عرض کرنے کی ضرورت ہے۔ کہ مضامین چونکہ وقتاً فوقتاً لکھے گئے ہیں۔ اس لئے بعض اقتباسات کی تکرار ہو گئی ہے اس کے لئے یہ عاجز معذرت خواہ ہے۔

دوسرا ایڈیشن:- یہ کتاب پہلی بار ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ برصغیر پاک وہند میں اور مغربی ممالک میں بھی مقبول ہوئی ڈاکٹر معین جزبی، ڈاکٹر شجاعت علی، ڈاکٹر عبدالسلام سندیلوی، ڈاکٹر عبدالقیوم وغیرہ نے اپنے پی، ایچ، ڈی کے مقالوں میں جگہ جگہ اس کا حوالہ دیا اور ڈاکٹر سید محمد عبداللہ صاحب نے خصوصیت سے اسے سراہا۔ بعض یونیورسٹیوں میں داخل نصاب بھی ہے۔ ایک مصنف کو اس سے زیادہ خوشی اور تشکر کا اور کیا موقع ہو سکتا ہے[1]۔

غلام مصطفےٰ خاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قول سدید

اقبال اور قرآن

بفضلہٖ تعالےٰ ۱۹۳۶ء میں راقم الحروف علی گڑھ سے فارغ ہو کر چند ماہ

---

[1] یہ پیراگراف کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں شامل ہے۔

کے بعد ناگ پور یونیورسٹی کے ایک کالج میں اردو کا استاد مقرر ہوا، اور قریب تین سال کے بعد اس یونیورسٹی میں صدر شعبۂ اردو بھی بنا دیا گیا۔

طالب علمی کے زمانے میں محترم حمید جالندھری (جو بعد میں دارالمعلمین کابل میں پروفیسر بھی رہ چکے ہیں۔ اور میرے لئے حقیقی بھائی سے کم نہیں۔) میرے ہم سبق تھے۔ ان کی وجہ سے مجھے علامہ اقبال سے شغف پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ جب میں ناگ پور یونیورسٹی میں صدر شعبۂ اردو بنا دیا گیا تو میں نے میٹرک سے لیکر ایم اے تک ہر کلاس میں علامہ اقبال کے کلام کو داخل نصاب کرا دیا اور یہی سعادت مجھے شروع میں کراچی میں اور بعد میں سندھ یونیورسٹی میں بھی حاصل رہی۔ اب عمر کی آخری منزل میں اللہ پاک کے خصوصی انعام کی وجہ سے مجھے قرآن سے متعلق یہ کام عنایت ہوا۔ جو میں نے بحمداللہ چند ماہ میں مکمل کر لیا۔ کاش یہ کام اس کی بارگاہ میں منظور و مقبول ہو کر میرے لئے ذریعۂ مغفرت بن جائے۔

میرے کام کی تقسیم یہ ہے کہ "تبصرۃ و ذکریٰ" کے ذیل میں قرآن سے متعلق علامہ اقبال کے خیالات، نظریات اور واقعات درج کر دیے گئے ہیں اور "لکل عبدٍ منیب" کے تحت ان کے ہر مجموعۂ کلام کے قرآنی مضامین

کو حتی الامکان جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قرآنی آیات کا ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ اور مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے لیا گیا ہے۔ اور بعض مقامات پر خود بھی کر دیا ہے۔

آخر میں معذرت خواہ ہوں کہ متعدد مقامات پر "ہم مضمون" اشعار کی "ہم مضمون" آیات کو دہرانا پڑا ہے۔ بہت سی آیات ایسی بھی ہیں۔ جن کی "ہم مضمون" احادیث بھی مل سکتی تھیں۔ لیکن ان کو مجبوراً چھوڑنا پڑا کیونکہ میرا موضوع صرف قرآن تک محدود تھا۔

احقر غلام مصطفیٰ
۲۹ر نومبر ۱۹۷۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی نقوش

ان مضامین کی تحریک بعض ایسے بزرگوں کی دعاؤں اور شفقتوں کی دینی منت ہے۔ جو میرے لئے والدین کی طرح مہربان رہے ہیں۔ والدِ مرحوم[1] کے

---

[1] والدین ماجدین کی تاریخیں یوں لکھی ہیں
جو بہشت دار جہاں راز حکم حی ودود (۱۳۴۳) گلاب خاں بہشت جہاں مقام بکرد (۱۹۲۴ء)
(باقی صفحہ پر)

انتقال کے ۳۳ سال بعد تک والدہ مرحومہ کی سخت تادیب لیکن بے پایاں
شفقتوں سے نوازا گیا اور بچپن ہی سے بڑے بھائی حاجی نذیر احمد خاں صاحب
نے اپنی محدود آمدنی کے باوجود مجھے علی گڑھ بھیج دیا۔ وہاں ہائی اسکول سے
لے کر ایم اے تک مولانا احسن مارہروی مرحوم اور پروفیسر ضیا احمد صاحب سے
بھی مستفیض رہا۔ اور حضرت قاری ضیاء الدین احمد الہ آبادی، مولانا ابوبکر
محمد شیث جون پوری اور مولانا سلیمان ندوی اشرف رحمہم اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بھی
شرف باب رہا۔ پھر نواب صدر یار جنگ اور علامہ سید سلیمان نے بار بار ملاقات
اور "نصف ملاقات" میں یہی فرمایا کہ "لکھو اور لکھتے رہو"۔ علامہ مرحوم نے تو
یہاں تک ذرہ نوازی فرمائی کہ نقوش سلیمانی کے دوسرے ایڈیشن میں چار جگہ
میرا حوالہ دیا۔ پروفیسر حافظ محمود خان شیرانی مرحوم، ڈاکٹر عبد الستار صدیقی
صاحب اور علامہ پرنسپل محمد شفیع صاحب نے بھی کرم بخشی فرمائی اور پرنسپل

(بقیہ حاشیہ ص) والدہ الحاجہ محفوظ النساء صاحبہ (۱۳۷۶ھ)

ام بندہ حیف محفوظ النساء — ہمدم بے حالی مغموم رفت
حج زیارت ہم عبادت رٹے داد — سربسر حق آشنا مرحوم رفت
در فشاں سرچشمۂ الطاف بود — آنکہ از فضل الٰہ معصوم رفت

ہر پہلے مصرع سے ۱۳۷۶ھ اور ہر دوسرے مصرع سے ۱۹۵۶ء برآمد ہوا ہے۔

صاحب موصوف نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (اردو) کے لئے میرے متعدد مضامین منظور فرماکر حوصلہ افزائی فرمائی۔ افسوس کہ ان آخری دو بزرگوں اور پروفیسر ضیاء احمد صاحب کے علاوہ یہ تمام فضلاء مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ اللہ پاک ان مرحومین کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور جو بزرگ حیات ہیں ان کو سلامت با کرامت رکھے آمین!۔

میری حوصلہ افزائی میں برادر محترم پروفیسر عبدالحمید جالندھری کا ہاتھ بھی ہے کہ انہوں نے میری ایک کتاب تاریخ بہرام شاہ غزنوی (انگریزی) اپنے صرفے سے شائع فرمائی ہے۔ جزاہ اللہ فی الدارین احسن الجزا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے ان بزرگوں کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ لیکن انہوں نے میری خامیاں نہیں دیکھیں۔ اسی لئے ان مضامین کے تمام نقائص کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔ اور گو کہ وہ ملک کے بلند پایہ رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ تاہم وہ میری کوتاہیوں کی غمازی کرتے ہیں۔ آخر میں یہ اور عرض کروں گا کہ میں نے اپنی تحریر کا ارتقا سمجھنے کے لئے زبان اور انداز بیان میں بھی عمداً نظر ثانی نہیں کی۔ اب پردہ پوشی اللہ کے ہاتھ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اسْتُرْنَا بِسَتْرِکَ الْجَمِیْلِ۔

اشاریہ اور پروف کی تصحیح عزیز مکرم پروفیسر سمیع احمد ہاشمی صاحب کی عنایت ہے۔

بقیہ مقدمہ ہدایت الطالبین۔

طبع ثانی:۔ یہ رسالہ مع اردو ترجمہ ۱۹۵۰ء میں پیش کیا گیا تھا۔ جو اپنی طباعت کی کمزوریوں کے باوجود بحمد اللہ بہت مقبول ہوا۔ اور جلد ہی ہاتھوں ہاتھ نکل گیا۔ افغانستان اور یورپ سے بھی اس کی فرمائش آئی یہ سب ہمارے بزرگوں توجہات اور دعاؤں کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ اب ملک کے طول و عرض سے اس کے لئے پھر فرمائشیں ہو رہی ہیں۔ اس لئے دوبارہ اس کی اشاعت کی سعادت "ادارۂ مجددیہ" (ناظم آباد، کراچی) کو حاصل ہو رہی ہے اور بقول حافظ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ع

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

حضرت مولانا زید ابوالحسن صاحب فاروقی مدظلہٗ (خانقاہِ مظہریہ چتلی قبر دہلی) نے پہلے ایڈیشن کی اشاعت کے وقت اپنے قلمی نسخے سے اس رسالہ کا مقدمہ اور "خاتمہ" بھی نقل فرما کر مرحمت فرمایا اور وہ ہم نے کتاب کے آخر میں بلا ترجمہ شامل کر دیا تھا۔ کیونکہ اس کے مرتب کا ہم کو علم نہ ہو سکا تھا۔ اب بھی یہ دونوں تحریریں اس لئے کتاب کے آخر میں شائع کی جا رہی ہیں۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ ہ

ناچیز۔

غلام مصطفےٰ خاں

۲ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ

بقیہ مکتوباتِ معصومیہ رح

سنینِ عہدِ معصومیہ

۱۰۷۲ھ - وفات شاہ نعمت اللہ قادری ابن عطاء اللہ نارنولی رح

۱۰۷۳ھ - وفاتِ رعایت خان (فوجدار سیوستان) ترتیب دفتر دوم مکتوبات معصومیہ رح - ہم ترتیب دفتر سوم

۱۰۷۴ھ - وفات ابوالمعالی ابن میرزا والی

وفاتِ "اسلام خان" (ضیاء الدین حسین)

۱۰۷۵ھ - وفاتِ مولانا محمد حنیف رح کابلی (دیہ مانا خانو)

۱۰۷۹ھ - وصالِ حضرت خواجہ محمد معصوم رح (۹ ربیع الاول) "نورِ عالم برفت"

۱۰۸۳ھ وصال خواجہ محمد عبیداللہ مروج الشریعت (اجمیر ۱۹ ربیع الاول

۱۰۹۱ھ - وفات حاجی میر عصنف "یکہ تاز" در اجمیر

۱۰۱۲ھ - وفات ہمت خان میر عیسیٰ المتخلص میرزا ابن اسلام خان بدخشی (۵ محرم)

۱۰۹۵ھ - وفاتِ ترتیب خان (فوجدار جون پور) (۲۷ شعبان)

۱۰۹۶ھ وصال حضرت خواجہ سیف الدین رح ۲۰ جمادی الاولیٰ

۱۱۰۸ھ - وفات ابوالمظفر الحنفی برہان پوری نبیرہ [illegible]

وفاتِ نور محمد بارہہ "سیف خان" -

۱۱۱۵ھ - وصال خواجہ محمد نقشبندِ ثانی -

۱۱۱۶ھ - وفات حافظ عبدالغفور پشاوری رح (۱۴ شعبان)

۱۱۱۷ھ - وصال خواجہ شیخ محمد اشرف (۲ صفر)

۱۰۱۸ھ - وفات بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر

۱۱۱۹ھ - وفاتِ سید علی بارہہ (سید نور الدین علی خان ابن سید عبداللہ خان)

۱۱۲۱ھ - وصال خواجہ محمد صبغۃ اللہ رح

۱۱۲۶ھ - وصال خواجہ عبدالاحد و حضرت "شاہ گلشن" ۲۷ ذی الحجہ

ع حاصلِ سعی نثار رہ یارے کردم

احقر غلام مصطفےٰ خان
سندھ یونیورسٹی - حیدرآباد (سندھ)

کتابیات

۱۔ فارسی پر اردو کا اثر از ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں سنہ طباعت ۱۹۰۲ء
ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸

۲۔ حالی کا ذہنی ارتقا از پروفیسر الحاج ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں
۱۹۶۶ء ناشر چودھری عبدالحمید ایم اے مطبع کاروان پریس لاہور

۳۔ علمی نقوش، از ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں اردو کیڈمی سندھ کراچی
مطبوعہ نشاط پریس کراچی، حیدرآباد ایجنسی کتاب ایجنسی تلک چاڑی

۴، ادبی جائزے، از ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں ۱۹۶۵ء ۳ مارچ
پرنٹر و پبلشر سید ناصر علی عابدی، الکتاب آرام باغ روڈ کراچی

۵، تحریر و تقریر، از ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں ۱۹۶۲ء
شائع کردہ ایجوکیشنل پریس کراچی، حکیم محمود الزمان ۲۷۲ لطیف آباد

۶، حضرت مجدد الف ثانیؒ (ایک تحقیقی جائزہ) از ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
شائع کردہ ۱۹۶۵ء

۷، قرآنی عربی، از ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں ۱۹۶۲ء
ایجوکیشنل پریس کراچی

۸، "تحقیقی جائزے" از ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں ۱۹۶۸ء
ناشر سلسلۂ مطبوعات، بزم غالب سکھر، مطبوعہ اتحاد پریس، شاہ کسٹ عجائب سٹور سکھر